جولائی ۱۹۹۷ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

فرائض دینی اور مسلمان خواتین

امیر تنظیم اسلامی کا حلقہ خواتین ملتان کے اجتماع سے ایک خطاب

ہدایات برائے شرکاء

مبتدی تربیت گاہ تنظیم اسلامی

بمقام : میاندم' سوات (از 20 تا 26 جولائی 97ء)

۱) رفقاء اپنے ہمراہ بستر' پلیٹ' مگ یا پیالی' نوٹ بک اور دیگر ضروریات کا سامان لے کر آئیں۔

۲) مقام تربیت گاہ تک پہنچنے کے لئے درج ذیل ہدایات پیش نظر رکھی جائیں :

ا) جہاں کہیں سے بھی روانہ ہوں تو مینگورہ سوات کو پہلی منزل بنائیں۔

ب) مینگورہ سوات پہنچ کر دوسری سواری میاندم کے لئے لینی ہو گی جو کہ بس سٹینڈ کے اندر واقع شاہد فلائنگ کوچ سٹینڈ سے ملے گی۔ یہ بس براہ راست مقام تربیت گاہ میاندم تک لے کر جائے گی۔ کرایہ تقریباً ۱۵ روپے ہے اور یہ سہولت مغرب سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے تک دستیاب ہو گی۔ میاندم تک کا سفر تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کا ہے۔

ج) اگر یہ گاڑی نہ ملے اور مغرب کے لگ بھگ کا وقت ہو تو آپ کالام یا بحرین جانے والی کوچ پر سفر کریں اور فتح پور چوک پر اتر جائیں جہاں سے سڑک میاندم کے لئے علیحدہ ہو جاتی ہے۔

۳) فتح پور چوک پر رات ۹ بجے تک (مورخہ ۲۰ جولائی ۹۷ء کو) تنظیم اسلامی حلقہ سرحد کی گاڑی ایسے مسافروں کے انتظار میں ہو گی۔

۴) مبتدی تربیت گاہ میں شرکت کے لئے آنے والے رفقاء سے گزارش ہے کہ عصر سے پہلے پہلے مقام تربیت گاہ پہنچ جائیں تاکہ زحمت اور پریشانی سے بچ سکیں۔

میجر (ر) فتح محمد' امیر حلقہ سرحد

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد کرو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

37/16/36

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد : ۴۶

شمارہ : ۷

ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

جولائی ۱۹۹۷ء

فی شمارہ -/۱۰

سالانہ زر تعاون -/۱۰۵

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

مقام اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔فون : 03-02-5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔ گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون : 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری، مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ____ ۳

حافظ عاکف سعید

☆ حالات حاضرہ ____ ۵

امیر تنظیم اسلامی کے خطابات جمعہ کے پریس ریلیز

☆ تذکرہ و تبصرہ ____ ۱۱

فرائض دینی اور مسلمان خواتین

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ مسئلہ ایمان و کفر ____ ۳۱

قرآن و حدیث کی روشنی میں

مولانا محمد طاسین

☆ فکر عجم ____ ۴۱

علامہ اقبال اور مسلمانان عجم

ڈاکٹر ابو معاذ

☆ امت مسلمہ کی عمر ____ ۵۵

اور مستقبل قریب میں مہدی کے ظہور کا امکان (۲)

امین محمد جمال الدین

☆ داستان عزیمت ____ ۶۸

امام شامل

مرتب و مترجم : اظہار احمد قریشی

☆ افکار و آراء ____ ۷۷

○ قصور وار کون —— لڑکی یا والدین؟ — مظہر علی ادیب

○ ہماری زبوں حالی اور اس کا علاج — وسیم احمد

قرآن کالج کے داخلوں کے بارے میں اہم اعلان صفحہ 10 پر دیکھئے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

ملک خداداد پاکستان میں فرقہ وارانہ دہشت گردی اور تخریب کاری کا گراف ایک بار پھر خطرناک حدوں کو چھونے لگا ہے۔ تقریباً روزانہ ہی اخبار کے فرنٹ پیج کا بڑا حصہ دہشت گردی کے نتیجے میں ہونے والی قتل وغارت کی خبروں کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ کراچی میں ایم کیو ایم اور اس کی متحارب قوتوں کی محاذ آرائی نے ایک بار پھر شہر کی فضا پر خوف و ہراس اور بدامنی و بے اطمینانی کی دبیز چادر اوڑھا دی ہے۔ پاکستان کے دیگر علاقوں بالخصوص پنجاب میں فرقہ وارانہ محاذ آرائی کی آڑ میں بدترین دہشت گردی عروج پر ہے اور انتظامیہ اپنے تمام تر دعوؤں اور اپنی پشت پر "بھاری مینڈیٹ" کی قوت رکھنے کے باوجود بے بس اور لاچار نظر آتی ہے ـــــ لیکن ہمارا حال یہ ہے (اس میں ہماری حکومت، حزب اختلاف اور عوام سب شامل ہیں) کہ اس خرابی اور روگ کے اصل سبب کے تدارک یعنی نفاذ نظام اسلام کی بجائے کچھ سطحی نوعیت کے اقدامات اور ظاہری لیپا پوتی سے آگے بڑھنے کو تیار نہیں ہیں اور اپنے پچاس سالہ شرمناک ماضی کی تلخ یادوں سے بھی کوئی سبق سیکھنے پر آمادہ نظر نہیں آتے۔ اور اگر اس ملک و ملت کا کوئی حقیقی بہی خواہ اور صاحب بصیرت ہمارے ارباب اقتدار کو صحیح راہ سجھانے اور انہیں ملک و قوم کا قبلہ سیدھا کرنے کی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی بات بھی ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دی جاتی ہے۔ اول تو ہمارے ارباب اقتدار کا یہ مستقل وطیرہ رہا ہے کہ وہ دین و مذہب کے ساتھ وفاداری بلکہ صحیح تر الفاظ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ خلوص و وفاداری کے مقابلے میں اپنی کرسی اور اقتدار کے ساتھ وفاداری کو ترجیح دیتے رہے ہیں، لیکن اگر کبھی ان میں سے کوئی نفاذ اسلام کی جانب پیش رفت کے ضمن میں کسی درویش کی "فغان" پر کان دھرنے پر آمادہ ہوتا بھی ہے تو اس کے مصاحبین اسے اس کار خیر سے برگشتہ کرنے کے لئے اپنی دانست میں "حق خیر خواہی" ادا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔ علامہ اقبال نے تو یہ بات "محکوم طبقات" اور "غریب عوام" کے حوالے سے کہی تھی کہ ؎

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

لیکن یہاں صورت یہ ہے کہ اگر کوئی حکمران خواب غفلت سے بیدار ہونے لگتا ہے تو ہر چہار طرف سے اسے لوریاں دے دے کر سلانے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے۔ اور بدقسمتی سے محسوس یہ ہوتا ہے کہ ہمارے حکمران خود بھی خواب غفلت سے بیدار ہونے کی کچھ زیادہ خواہش نہیں رکھتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ بگاڑ اور انتشار میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ آئینی طور پر انتہائی مستحکم حکومت بھی حالات کے ریلے کے سامنے "خضر بھی بے دست و پا' الیاس بھی بے دست و پا" کی تصویر بنی نظر آتی ہے اور ملک دشمن عناصر اور شیطانی قوتیں "میرے طوفاں یم بہ یم' دریا بہ دریا' جو بجو" کا راگ الاپ رہی ہیں۔

بہرکیف تنظیم اسلامی اپنی بساط کے مطابق تکمیل دستور خلافت کی مہم جاری رکھے ہوئے ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے گزشتہ ماہ اس مہم کو تیز کرنے کی خاطر اور اس اہم دینی کام میں جس سے کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والوں کو اختلاف نہیں ہو سکتا' دیگر علماء کرام بالخصوص مختلف مکاتب فکر میں نمایاں مقام کے حامل ارباب دین کا تعاون حاصل کرنے کے لئے علماء کرام سے ذاتی رابطے کے کام کو ایک مہم کے انداز میں چلایا۔ چنانچہ انہوں نے ایک جانب دارالعلوم حزب الاحناف کے علامہ محمود احمد رضوی صاحب سے ان کے مرکز میں ملاقات کی تو دوسری جانب جمعیت اہل حدیث کے سربراہ سینیٹر ساجد میر صاحب سے بھی مفصل ملاقات کی جو امیر تنظیم کی دعوت پر قرآن اکیڈمی تشریف لائے تھے۔ قبل ازیں اسی ضمن میں امیر محترم جے یو آئی کے ایک اہم قائد مولانا اجمل خاں صاحب سے بھی ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کر چکے تھے ـــــ اس کے ساتھ ساتھ امیر تنظیم نے شیعہ سنی مفاہمت کے لئے بھی رابطہ مہم جاری رکھی اور بالخصوص سپاہ محمد کے بعض رہنماؤں سے ملاقات کر کے انہیں مفاہمت کے فارمولا پر غور و فکر کی دعوت دی اور مفاہمت باہمی کی اہمیت و ضرورت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ـــــ اللہ تعالیٰ موصوف کی ان کوششوں کو شرف قبول عطا فرمائے!

امیر تنظیم اسلامی کی انہی مساعی کا یہ مظہر ہے کہ ان شاء اللہ ۴ جولائی کو بعد نماز مغرب قرآن آڈیٹوریم لاہور میں شیعہ سنی مفاہمت پر ایک سیمینار منعقد ہو رہا ہے جس میں

(باقی صفحہ ۷۷ پر)

حالات حاضرہ

امیر تنظیم اسلامی کے خطاباتِ جمعہ کے پریس ریلیز

○

پاکستان اور افغانستان کے درمیان کنفیڈریشن وقت کی اہم ضرورت ہے
بھارت سے تعلقات استوار کرنے سے پہلے نظریاتی تشخص کو مضبوط بنایا جائے

لاہور' 6 جون 97ء : امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ موجودہ حکومت کی افغان پالیسی قابل ستائش ہے' مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں نماز جمعہ سے قبل خطاب کرتے ہوئے انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ موجودہ پالیسی کو مزید ایک قدم آگے بڑھایا جائے اور پاکستان اور افغانستان کے مابین کنفیڈریشن تشکیل دی جائے۔ انہوں نے کہا کہ افغانستان میں طالبان حکومت کی صورت میں مستحکم اسلامی ریاست وجود میں آچکی ہے اور افغانستان میں نفاذ اسلام کے بعد امید ہے کہ پورے ایشیاء میں احیائے اسلام کی تحریک کا راستہ کھل جائے گا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ۱۹۷۱ء میں ملک کے دولخت ہونے کے بعد سے پوری قوم شکست خوردہ ذہنیت سے دوچار ہے۔ چنانچہ قومی سطح پر اس نفسیاتی شکست کا علاج اور بھارت کے جارحانہ عزائم کا مقابلہ بھی افغانستان کے ساتھ مضبوط اور مستحکم کنفیڈریشن کے ذریعے کیا جا سکتا ہے' اسی سے بھارت کی میزائل ٹیکنالوجی کا توڑ بھی ہو سکے گا۔ انہوں نے کہا کہ افغانستان کی سرزمین سے پہلے بھی محمود غزنوی اور احمد شاہ ابدالی جیسے فاتحین نے ہندوستان کو فتح کیا تھا اور اب بھی پاکستان افغانستان کی اسلامی حکومت کے ساتھ مل کر ہندوستان کا جرات مندانہ طریقے سے مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان اور افغانستان کے اتحاد سے عالم اسلام کی وحدت کی جانب پیش رفت کے نئے دور کا آغاز ہو جائے گا اور ایشیاء کے قلب میں ایک مضبوط اسلامی ریاست قائم ہو جائے گی۔

امیر تنظیم اسلامی نے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف سے مطالبہ کیا کہ وہ قرآن و سنت کی بالادستی کے نفاذ کے ذریعے ملک کو دستوری سطح پر اسلامی ریاست بنانے کا تاریخ ساز کارنامہ سرانجام دیں۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ متنازعہ "احتساب بل" کی وجہ سے مسلم لیگ حکومت کی اخلاقی ساکھ کو زبردست دھچکا لگا ہے۔ چنانچہ میاں محمد نواز شریف نے موجودہ مہلت سے

اگر فائدہ نہ اٹھایا اور ماضی کے حکمرانوں کی طرح ملک کے نظریاتی تشخص کو حقیقی معنوں میں مضبوط بنانے کی طرف پیش رفت نہ کی اور اب بھی اگر ملک کا قبلہ اسلام کی طرف سیدھا نہ کیا گیا تو یہ چیز وزیر اعظم اور ملک و قوم کے لئے بدشگونی کا مظہر ہو گی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ وزیر اعظم نے تنظیم اسلامی کے وفد سے ۲۴ مئی کی ملاقات کے دوران بہت جلد شریعت کو سپریم لاء بنانے کے لئے آئین میں ترامیم کا بل لانے کا عندیہ دیا تھا مگر اس حوالے سے ابھی تک کسی قسم کی پیش رفت کا نہ ہونا حیرت اور تشویش کا موجب ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ سندھ اسمبلی میں نماز جمعہ کے لئے وقفہ نہ کرنا تشویش ناک رجحان کی عکاسی کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بینکوں اور کئی نجی اداروں میں جمعہ کی نصف تعطیل کے خاتمے سے جمعہ کی حرمت پامال ہو رہی ہے۔ نماز جمعہ دین کے شعائر میں سے ہے جس کا احترام ملحوظ نہ رکھنے سے حرام کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ مسجد دار السلام میں ڈاکٹر اسرار احمد نے ایک قرارداد بھی منظور کرائی جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ جمعہ کی نصف تعطیل نماز جمعہ کے بعد کرنے کی بجائے نماز جمعہ سے پہلے کی جائے' تاکہ جمعہ کا تقدس ملحوظ رکھا جا سکے!

☆ ☆ ☆

پاکستان عملی طور پر ایک سیکولر ریاست بن چکا ہے
خواتین کی کرکٹ ٹیم بیرون ملک بھیجنا دین سے صریح انحراف ہے

لاہور' 13 جون 97ء : ملک کو اسلام کا گہوارہ نہ بنایا گیا تو امریکہ پاکستان کو مکمل طور پر مفلوج کر کے بھارت کا غلام بنا دے گا۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دار السلام باغ جناح لاہور میں نماز جمعہ سے قبل خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ روس چین مفاہمت ایشیا میں نیو ورلڈ آرڈر کے لئے "درد سر" اور "وبال جان" بن چکی ہے۔ انہوں نے کہا کہ عالمی سطح پر تیزی سے بدلتے ہوئے حالات میں امریکی مقاصد کی تکمیل کے لئے بھارت کو انتہائی اہم حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ چنانچہ امریکہ بھارت کو علاقائی سپر پاور بنا کر نیو ورلڈ آرڈر کے لئے خطرہ بننے والے ممالک کے گھیراؤ کی پالیسی پر عمل کر رہا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے سودی قرضوں کی لعنت سے جکڑا ہوا پاکستان امریکہ کا "بے دام" غلام نہیں "با دام غلام" بن چکا ہے جو ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے قرضوں کے ذریعے اپنے دام وصول کر چکا ہے اور اب امریکی پالیسی کی مزاحمت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا کہ یکطرفہ طور پر بھارت سے تعلقات کی

بحالی کے ضمن میں نواز شریف کسی اور کی بولی بول رہے ہیں۔ میزائلوں کی تنصیب اور پاکستان کے حساس ترین علاقوں پر بھارتی جاسوس طیارے کی پرواز پاکستانی قوم کی بے بسی کا مظہر ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ مسلم لیگ حکومت نے عوام کی غیر معمولی تائید حاصل ہوتے ہوئے بھی ملک کا قبلہ اسلام کی طرف درست نہ کیا تو یہ ملک و ملت کی تباہی کو خود دعوت دینے کے مترادف ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ ملک کو بچانے کی خاطر ملک کی نظریاتی اساس کو مضبوط کرنے کے لئے شریعت کو سپریم لاء بنا کر دستور میں موجود غیر اسلامی دفعات کو کالعدم قرار دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان نام کا اسلامی ملک ہے جبکہ نافذ العمل نظام کی رو سے پاکستان کو سیکولر ریاست کہنا زیادہ موزوں ہو گا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ افغانستان میں طالبان نے اسلامی حکومت قائم کر دی ہے۔ ان حالات میں اگر پاکستان میں نظام خلافت رائج نہ کیا گیا تو شدید اندیشہ ہے کہ ملک کی "پختون بیلٹ" افغانستان کے ساتھ مل جائے گی۔ انہوں نے حکومت سے کہا کہ وہ پیش قدمی کرتے ہوئے پاک افغان کنفیڈریشن قائم کرے۔ اس طرح بھارت کے مقابلے میں پاکستان ایک ناقابل تسخیر قوت بن جائے گا۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ ملک کے اسلامی تشخص کو دستوری سطح پر مضبوط بنائے بغیر بھارت سے دوستانہ تعلقات کا قیام قومی سطح پر خودکشی کے مترادف ہو گا' جس سے ملک کے قیام کا جواز ہی ختم ہو جائے گا اور بھارتی ثقافت کی یلغار ملک کے نظریاتی تشخص کو ختم کر دے گی۔ انہوں نے نوائے وقت کے بھارتی بالادستی کے مزاحمتی کردار کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ بھارت کا مقابلہ کرنے کے لئے پاکستان کو چاہئے کہ وہ روس اور چین کی مفاہمت سے فائدہ اٹھا کر افغانستان' ایران اور ایشیائی ریاستوں پر مشتمل مضبوط مسلم بلاک کے قیام کے لئے کوشش کرے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ دین کا دستوری سطح پر نفاذ موجودہ حکومت کی ترجیحات میں شامل نہیں ہے۔ چنانچہ خلافت راشدہ کا نظام لانے کے دعوؤں کے برعکس حکومت نے عربی خطبہ اور نماز جمعہ سے قبل عوام کی دینی و اخلاقی تربیت کے لئے کی جانے والی اردو تقاریر میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال پر پابندی عائد کر کے مداخلت فی الدین کا ارتکاب کیا ہے۔ اسی طرح خواتین کی کرکٹ ٹیم کو بیرون ملک دورے کی اجازت دینا اسلامی تعلیمات سے صریح انحراف کے مترادف ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ خواتین ٹیموں کے بیرونی دوروں پر مکمل طور پر پابندی عائد کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ بینک انٹرسٹ کو سود نہ سمجھنے والے خالد اسحٰق جیسے دانشور کو سودی نظام کے خاتمے کے لئے قائم کمیٹی میں شامل کرنا حکومت کی نیت میں "فتور" کا مظہر ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ تمام عرب ممالک اسرائیل کے سامنے سجدہ ریز ہو چکے ہیں اور اب

پاکستان کی وہ مذہبی جماعتیں بھی اسرائیل کو تسلیم کرنے کے راگ الاپ رہی ہیں جنہیں اسرائیل نواز عرب ممالک کی "سرپرستی" حاصل ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان اسرائیل کا توڑ ہے چنانچہ اسرائیل کے قیام سے ایک سال قبل ہی اللہ تعالیٰ نے پاکستان قائم فرمادیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اگر تمام مسلم ممالک بھی اسرائیل کو تسلیم کرلیں تو پاکستان کو پھر بھی اسرائیل کو تسلیم نہیں کرنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ وقت دور نہیں جب افغانستان اور پاکستان کی اسلامی افواج بیت المقدس کو یہودی قبضے سے آزادی دلاکر یہودیوں کا قلع قمع کریں گی۔

☆ ☆ ☆

اسلامی ریاست کے قیام کے لئے اجتماعی جدّوجہد ناگزیر دینی فریضہ ہے

بھارت کے جارحانہ عزائم کے مقابلے میں ہمارا رویّہ قومی وقار کے منافی ہے

لاہور' 20 جون 97ء : امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ امتِ مسلمہ اصولی طور پر بہترین امت ہونے کے باوجود اپنے فرائض سے غفلت کی وجہ سے بدترین امت کی حیثیت اختیار کرچکی ہے۔ چنانچہ بے پناہ افرادی قوت و مادی وسائل سے مالا مال اور دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہونے کے باوجود بین الاقوامی سطح پر امت مسلمہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں نماز جمعہ سے قبل خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ عرب ممالک مغضوب ترین یہودی قوم کے آگے سرنگوں ہوچکے ہیں جبکہ مسلمانان پاکستان بت پرست ہندو قوم کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ بھارت امریکی آشیرباد اور اپنی جارحانہ فوجی قوت کے نشے میں علاقائی امن کے لئے زبردست خطرہ بن چکا ہے۔ بھارت کے جارحانہ اور توسیع پسندانہ عزائم کا مقابلہ کرنے کی بجائے پاکستان نے اپنے اسلامی اور قومی وقار کے منافی بزدلانہ اور معذرت خواہانہ رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بھارتی وزیراعظم آئی کے گجرال کی طرف سے کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ قرار دینے اور پرتھوی میزائلوں کی تنصیب کے اشتعال انگیز عزائم کا اظہار کیا جارہا ہے مگر حکومت پاکستان ہاٹ لائن پر بھارتی وزیراعظم سے چند لمحوں کی گفتگو کو اپنی اہم کامیابی قرار دے رہی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ بھارت میں متعین ایرانی سفیر کی طرف سے افغانستان میں طالبان حکومت کی مخالفت اور بھارت کو افغانستان پر جارحیت کی کھلی دعوت دینا افسوسناک اور قابل مذمت ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ دنیا کے تمام انسانوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے نظامِ

خلافت کا قیام امتِ مسلمہ کا بنیادی اور اہم ترین فریضہ ہے مگر مسلمانوں نے اجتماعی طور پر اپنے اس فرض سے انحراف اور پہلو تہی کا رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمان حقیقی اسلام کا عملی نمونہ پیش کرنے کی بجائے اپنے منافقانہ طرز عمل کی وجہ سے لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد کے لئے انقلابی جماعت میں شمولیت بھی ناگزیر فریضہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ نظام خلافت کے قیام یا اس کی جدوجہد میں حصہ لئے بغیر رضائے الٰہی کا حصول ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا پر مبنی زندگی گزارنے کی بجائے زندہ رہنے سے مرجانا بہتر ہے۔

☆ ☆ ☆

نظام خلافت کا قیام ملّتِ اسلامیہ کا اجتماعی دینی فرض ہے
اسلامی انقلاب غیر مسلح عوامی تحریک کے ذریعے ہی ممکن ہے

لاہور' 27 جون 97ء : امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ ملک بڑی تیزی سے ایک بہت بڑے بحران کی طرف بڑھ رہا ہے۔ مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں نماز جمعہ سے قبل خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں منافقت پر مبنی نظام رائج ہے۔ پاکستان مثالی اسلامی فلاحی ریاست کا نمونہ بننے کی بجائے بدترین استحصالی نظام کا مرقع بن چکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نظام خلافت کا قیام ملت اسلامیہ کا اجتماعی دینی فرض ہے جسے پورا نہ کرنے کی وجہ سے امت مسلمہ ہر سطح پر بدترین ذلت اور رسوائی سے دوچار ہو چکی ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ ایبل کانسی کی ڈرامائی گرفتاری سے ثابت ہو گیا ہے کہ پاکستان مکمل طور پر امریکہ کی ایک "باجگزار" ریاست بن چکا ہے اور ملک کی آزادی و خود مختاری کا جنازہ نکل چکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملک کے حکمران طبقات نے ہمیشہ قوم سے حقائق کو چھپا کر جھوٹ بولنے کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔ چنانچہ حکمرانوں کے اسی منافقانہ طرز عمل کی وجہ سے قوم بدترین مصائب سے دوچار ہے۔

انہوں نے کہا کہ اسلام کے انقلابی فکر اور فوجی ڈسپلن کی حامل اسلامی انقلابی جماعت کے ذریعے کی جانے والی جدوجہد ہی سے نظام خلافت قائم ہو گا مگر طویل عرصہ سے غلبۂ دین کی جدوجہد کے لئے جماعتی نظم اختیار کرنے کے نبوی حکم کو مسلسل نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ عبادات کو "ذکر الٰہی" کے ذرائع و وسائل کی حیثیت حاصل ہے جبکہ نفاذ اسلام کے لئے اجتماعی جدوجہد میں حصہ لینا دیگر اسلامی احکامات کی طرح فرض عین ہے۔ انہوں نے کہا کہ دین کی

سربلندی کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ کر جان کا نذرانہ پیش کرنا افضل ترین عمل ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ مسلمان ممالک میں سے افغانستان اور ایران کے مسلمانوں نے اپنے خون کا نذرانہ دے کر بے مثال اور تاریخی کارنامہ سرانجام دیا ہے' اگرچہ افغانستان میں بر سرپیکار جہادی تنظیموں کے باہمی انتشار کی وجہ سے افغانستان ابھی تک خانہ جنگی سے دوچار ہے۔ انہوں نے کہا کہ طالبان حکومت نے طویل عرصہ سے جاری خانہ جنگی سے بے زار افغان عوام کو نجات دلا کر ملک کے بڑے حصے میں امن و سکون بحال کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اہل ایران نے پرامن اور غیر مسلح جدوجہد کے ذریعے امریکہ کے پولیس مین شاہ ایران کی بادشاہت کا جنازہ نکال دیا تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ پاکستان میں بھی اسلامی انقلاب کا قیام پرامن اور غیر مسلح عوامی تحریک کے ذریعے ممکن ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ قاضی حسین احمد حکومت مخالف "فائنل شوڈاؤن" کے لئے تیاریاں کر رہے ہیں مگر پہلے کی طرح ان کی تحریک کے "ثمرات" سے کوئی اور ہی مستفید ہوگا۔

قرآن کالج لاہور

اعلان داخلہ برائے FA اور I.COM کلاسز سیشن 98-1997ء

نمایاں خصوصیات :

☆ بنیادی دینی تعلیم کا خصوصی اہتمام
☆ بورڈ اور یونیورسٹی کے نصاب تعلیم کی پختہ تدریس
☆ انتہائی محنتی اور قابل اساتذہ
☆ ہم نصابی سرگرمیوں میں تحریر و تقریر پر خصوصی توجہ
☆ ہاسٹل کی محدود سہولت ☆ کمپیوٹر کی مفت تعلیم

ان والدین کے لئے جو خواہش رکھتے ہوں کہ ان کا برخوردار سنجیدہ' باوقار اور بامقصد تعلیم حاصل کرے' قرآن کالج مناسب ترین ادارہ ہے!

داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ ۳۱/ جولائی ۹۷ء ہے

رابطہ کیجئے : 191۔ اناترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور 5833637

فرائضِ دینی اور مسلمان خواتین

امیر تنظیم اسلامی کا حلقہ خواتین کے اجتماع سے ایک خطاب

خطبۂ مسنونہ' سورۃ النساء کی پہلی آیت' سورۃ الحجرات کی آیت ۱۳' سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۵ اور سورۂ آل عمران کی آیت ۱۹۵ کی تلاوت اور ادعیۂ ماثورہ کے بعد :

خواتین کی دینی ذمہ داریوں کے موضوع پر اگرچہ اس سے قبل میرے کئی خطابات ہوئے ہیں جن کے کیسٹ بھی موجود ہیں اور "مسلمان خواتین کے دینی فرائض" کے عنوان سے ایک چھوٹا سا کتابچہ اور اسلام میں خواتین کے مقام کے اعتبار سے بعض اصولی مباحث بھی "اسلام میں عورت کا مقام" نامی کتاب میں موجود ہیں' لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر نئے خطاب میں موضوع کے بعض گوشے بہتر طور پر اجاگر ہو جاتے ہیں' مزید یہ کہ ہر نئے خطاب میں ترتیب چونکہ نئی ہوتی ہے اس لئے سننے والوں کو بھی اکتاہٹ نہیں ہوتی' مقرر کو بھی انشراح زیادہ ہوتا ہے اور ترتیب کے بدلنے سے بعض نئے مضامین اور نئے مفہوم بھی سامنے آتے ہیں۔

یہ جو عالمِ دنیا ہے جس میں ہم آباد ہیں' اس میں اگرچہ حیوانات کی بہت سی قسمیں ہیں۔ پرند' چرند' وحوش' مچھلیاں اور حشرات الارض بھی اسی دنیا میں آباد ہیں' لیکن اس میں ہمارا تعلق جس عالم سے ہے وہ عالمِ انسانیت ہے۔ اس عالم انسانیت کے بھی بالکل نمایاں طور پر دو حصے ہیں' یعنی ایک خواتین اور دوسرے مرد۔ اور یہ تقسیم صرف عالمِ انسانیت ہی میں موجود نہیں بلکہ یہ عالمِ تخلیق سے متعلق اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ایک اصول اور ضابطہ ہے' جسے قرآن حکیم میں بایں الفاظ بیان کیا گیا : ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ (الذاریات : ۴۹) یعنی "ہم نے ہر شے میں زوجین (جوڑے) پیدا کئے ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو"۔ چنانچہ اب یہ ایک معلوم حقیقت ہے

کہ انسانوں اور حیوانات کے علاوہ نباتات میں بھی زوجین ہوتے ہیں۔ پھول میں بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں اور درخت بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جوں جوں ہم علم و تحقیق میں آگے بڑھ رہے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز میں اس طرح کی تقسیم موجود ہے۔ عالمِ انسانیت میں نر اور مادہ کی جو تقسیم ہے یوں سمجھے کہ یہ انسان کے سب سے بنیادی مسائل میں سے ہے۔ اس لئے کہ اجتماعیت کا نقطہ آغاز یہی ہے کہ ایک عورت اور ایک مرد کے مابین رشتہ ازدواج قائم ہوتا ہے' اس سے اولاد پیدا ہوتی ہے اور ایک خاندان وجود میں آتا ہے۔ پھر ایک خاندان کی مزید تقسیم در تقسیم سے کئی خاندان بنتے ہیں۔ اسی طرح ایک مرد اور ایک عورت سے یہ پورا عالم انسانیت وجود میں آیا ہے' جس میں مختلف تقسیمیں موجود ہیں۔ اس کی بنیادی اکائی فرد ہے' پھر خاندان ہے' قبیلہ ہے' معاشرہ ہے' قوم ہے اور نوع انسانی ہے۔ یہ سب اس کے درجے ہیں۔

دینی فرائض کی بنیادی سطح

اس ضمن میں اگر ہم سب سے بنیادی سطح کے کچھ حقائق ذہن نشین کرلیں اور کچھ اہم باتیں سب سے اوپر کی سطح کی سمجھ لیں تو درمیانی مراحل کا فہم کچھ مشکل نہیں رہتا' انہیں انسان اپنی سمجھ اور اپنی عقل سے کسی حد تک خود بھی سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ ہم پہلے تین آیات قرآنی کی روشنی میں اس مسئلے کے بنیادی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔

سورۃ النساء اور سورۃ الحجرات کی آیات سے راہنمائی

سورۃ النساء کی پہلی آیت اور سورۃ الحجرات کی تیرہویں آیت قریباً ہم مضمون آیات ہیں اور یہ بات میں نے اپنے دروس میں بارہا بیان کی ہے کہ قرآن حکیم میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں' ترتیب قدرے مختلف ہو جاتی ہے۔ ان دونوں آیات کا آغاز "یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ" کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔ سورۃ النساء کی پہلی آیت میں فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ﴾

"اے لوگو اتقویٰ اختیار کرو اپنے اس رب کا جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔"

اس آیت میں ربوبیت کو تخلیق پر مقدم کیا گیا ہے حالانکہ ترتیب زمانی کے اعتبار سے پیدائش پہلے ہوتی ہے اور ربوبیت بعد میں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچپن سے ہمارا جو ذہنی ارتقاء ہوتا ہے اس میں تخلیق کے بارے میں سوالات بہت بعد میں پیدا ہوتے ہیں کہ ہماری تخلیق کیسے ہوئی' کہاں سے ہوئی اور کس نے کی؟ لیکن اپنی ضروریات کا احساس پہلے ہوتا ہے۔ بچے کے ذہن میں والدین کی اصل اہمیت اور افادیت اسی اعتبار سے ہوتی ہے کہ وہ اس کی پرورش اور نگہداشت کرتے ہیں اور اس کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ اسی حقیقت کو قرآن حکیم میں ﴿كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ کے الفاظ میں بیان کیا گیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں بعض مقامات پر ترتیب زمانی کے برخلاف' ربوبیت کو خلق پر مقدم کیا گیا ہے۔

آگے فرمایا :

﴿الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾

"جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا۔"

آیت کے اس حصے میں "ایک جان" کا مفہوم متعین کرنا مشکل ہے۔ اس میں کئی احتمالات ہیں جن پر تفصیلی گفتگو اِس وقت ممکن نہیں۔ عام طور پر یہی سمجھا گیا ہے کہ "ایک جان" سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں اور بعض روایات کی رُو سے حضرت حوّا سلامٌ علیہا کو ان کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ "ایک جان سے بنایا" کا ایک مفہوم یہ بھی لیا گیا ہے کہ اس کی جنسیں تو دو ہیں لیکن نوع ایک ہے۔ انسان ہونے کے ناطے عورت اور مرد ایک ہی نوع سے متعلق ہیں۔ جیسے بکری اور بکرا دو جنسیں تو ہیں لیکن ان کی نوع ایک ہی ہے' اسی طرح گائے اور بیل جنسیں تو دو ہیں لیکن ان کی نوع ایک ہے۔ گائے بھینس سے مختلف ہے' اس کی نوع علیحدہ ہے۔ مرد و عورت کی تخلیق میں سوائے اس ایک حصے کے جس کا تعلق زوجیت اور افزائشِ نسل سے ہے' باقی ان کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ مرد و عورت کی جنس اگرچہ مختلف ہے لیکن ان کی نوع ایک ہی ہے۔ یہ ایک مفہوم ہے جو زیادہ فلسفیانہ اور زیادہ سائنٹیفک ہے۔

آگے فرمایا:

﴿وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً﴾

"اور ان دونوں سے کثیر تعداد میں مردوں اور عورتوں کو (زمین میں) پھیلا دیا"۔

اب یہاں "دونوں" سے مراد معیّن طور پر آدم اور حوا ہیں۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں جو بھی انسان ہیں' خواہ مرد ہوں یا عورت' وہ آدم اور حوا کی اولاد ہیں۔

آگے فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ "اللہ کا تقویٰ اختیار کرو"۔

یہ بڑا اہم نکتہ ہے کہ آیت کے شروع میں بھی کہا گیا کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور یہاں دوسری بار پھر یہی بات فرمائی جا رہی ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو"۔ تقویٰ کی اس قدر تاکید سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ تقویٰ کا مفہوم کیا ہے؟ اس پر ہم ابھی گفتگو کریں گے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے :

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ...﴾

"اور اس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو' اور رحمی رشتوں کا لحاظ کرو۔"

ایک انسان جب دوسرے انسانوں سے کچھ طلب کرتا ہے تو دلیل سے بات کرتا ہے کہ اس دلیل کی بنیاد پر یہ میرا حق ہے۔ لیکن ایک آخری درجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ "اللہ کے نام پر"۔ اب اس میں دلیل ختم ہو گئی۔ یہ اپیل کا آخری درجہ ہے۔ بھکاری خیرات مانگتا ہے تو اللہ کے نام پر مانگتا ہے کہ میرا کوئی استحقاق نہیں ہے' آپ کے اوپر میرا کوئی حق نہیں ہے' لیکن اللہ کے نام پر مجھے کچھ دے دیا جائے۔ انسانی معاملات میں بھی اکثر و بیشتر ایسے مقامات آ جاتے ہیں جہاں دلیل ختم ہو جاتی ہے اور پھر اللہ کے نام کا واسطہ دیا جاتا ہے۔ اِس حوالے سے لوگوں کو دعوت فکر دی جا رہی ہے کہ جس اللہ کا تم انسانی معاملات میں واسطہ دیتے ہو اس کا تقویٰ بھی تو اختیار کرو۔ ساتھ ہی فرمایا گیا: "اور رحمی رشتوں کی پاسداری کرو"۔ اس سے قبل یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ پوری نوع انسانی ایک انسانی جوڑے سے پیدا کی گئی ہے۔ ایک ماں باپ سے پیدا ہونے والے بہن بھائی آپس میں رحمی رشتے میں منسلک ہوتے ہیں۔ ایک دادا دادی کی نسل سے چچا تایا کی اولاد باہم جڑی ہوتی

ہے۔ اسی طرح پردادا کی اولاد کا معاملہ ہے۔ یہ رحمی رشتے ہیں۔ پوری نوع انسانی کی اجتماعیت کی جڑ بنیاد گویا یہی رحمی رشتہ ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ ان رحمی رشتوں کا لحاظ کرو' کچھ خیال کرو' قطع رحمی نہ کرو' صلہ رحمی کرو' آپس میں جڑو' کٹو نہیں : ﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا﴾ "یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے"۔

تقویٰ کا مفہوم اور اس کے تین درجے

اب میں چاہتا ہوں کہ یہاں تقویٰ کا مفہوم سمجھ لیا جائے۔ تقویٰ کے لغوی معنیٰ "بچنا" کے ہیں۔ اس کا سہ حرفی مادہ "وق ی" ہے۔ اس مادہ سے وَقٰی۔یَقِی کے معنی ہیں کسی دوسرے کو بچانا۔ جیسے ہم دعا مانگتے ہیں : ﴿وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (اے اللہ) "ہمیں آگ کے عذاب سے بچا"۔ اس دعا میں وَقٰی۔یَقِی سے فعل امر "قِ" استعمال ہوا ہے۔ باب افتعال میں "اِتَّقٰی۔یَتَّقِی" کے معنی خود "بچنا" کے ہیں۔ اب اس بچنے (یعنی تقویٰ) کے تین درجے یا تین پہلو ہیں جنہیں ذہن نشین کر لینا چاہئے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ایک اخلاقی حس رکھی ہوئی ہے جو اندر سے یہ بتلا دیتی ہے کہ یہ شے بری ہے۔ انسان کو اللہ نے اندھا' بہرہ پیدا نہیں کیا۔ جیسے اسے آنکھوں کی بصارت دی ہے ایسے ہی اس کے باطن میں نیکی اور بدی کی پہچان بھی ودیعت کی ہے۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم میں بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے : ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا﴾۔ چنانچہ انسان کے اندر جو یہ تمیز ودیعت شدہ ہے کہ یہ شے اچھی ہے اور یہ شے بری ہے' یہ معروف ہے اور یہ منکر ہے' یہ درست ہے اور یہ غلط ہے اسے بروئے کار لاتے ہوئے تمام اخلاقی برائیوں سے اجتناب تقویٰ کی بنیادی سطح ہے۔ انسان کا ضمیر اسے اخلاقی برائیوں پر متنبہ کرتا ہے کہ جھوٹ بولنا اچھا نہیں ہے' وعدہ خلافی کرنا اچھا نہیں ہے۔ چنانچہ ضمیر کی پکار پر ان برائیوں سے بچنا تقویٰ کی جڑ اور بنیاد ہے۔

۲۔ تقویٰ کی اس سے بلند تر سطح یہ ہے کہ جب ایک شخص اللہ کو پہچان کر اس پر ایمان لے آیا اور اس نے اللہ کے رسول کو رسولِ برحق جان کر مان لیا تو اب اس کے لئے تقویٰ کا دائرہ وسیع ہو جائے گا۔ اب تقویٰ کا دائرہ صرف اخلاقی معاملات پر محیط نہیں ہو گا

بلکہ اس کے معاش اور معاشرت سمیت تمام انسانی معاملات اس دائرے کے اندر آئیں گے۔ اب اس کے لئے تقویٰ کا مفہوم یہ ہو گا کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کو توڑنے سے بچے۔ جس شے کو اللہ اور رسول ﷺ نے "حرام" کہہ دیا ادھر رخ بھی نہ کرے اور جسے "فرض" قرار دے دیا اس کی پابندی کو اپنے اوپر لازم سمجھے۔ اگر اس نے کسی حرام کا ارتکاب کیا تو بھی ان کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اگر کسی فرض پر عمل نہیں کیا تب بھی ان کے حکم کو توڑ دیا۔ اور یہ طرز عمل تقویٰ کے منافی ہے۔

واضح رہے کہ حرام کے علاوہ مکروہِ تحریمی سے بچنا بھی ضروری ہے۔ مزید برآں مکروہِ تنزیہی سے بچنے کی کوشش بھی کی جائے اور اپنے آپ کو اس دائرے کے اندر محدود رکھا جائے جو واضح طور پر بلاشک و شبہ حلال ہے۔ یہ تقویٰ کی دوسری منزل ہے۔

۳۔ تیسرا تقویٰ آخرت کا تقویٰ ہے جو دراصل مذکورہ بالا تقویٰ کا نتیجہ ہے۔ یعنی دنیا میں تقویٰ اختیار کرنے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آخرت میں اللہ کے عذاب سے اور جہنم کی سزا سے بچ جاؤ گے۔ سورۃ التحریم میں الفاظ وارد ہوئے ہیں : ﴿قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ یعنی "بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے"۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : "اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ" آگ سے بچنے کی کوشش کرو چاہے وہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی ہو۔ یعنی اگر کوئی شخص خراب اور مخدوش حالات میں گرفتار ہے' فرض کیجئے کہ قحط کا عالم ہے اور کسی شخص کے پاس اور کچھ نہیں ہے' بس ایک کھجور ہے اور اس وقت کوئی سائل آگیا ہے اور اس نے اس کھجور کو دو حصوں میں تقسیم کر کے آدھی اس کو دے دی اور آدھی خود استعمال کر لی تو شاید یہ کھجور کا ایک نصف ٹکڑا ہی اس کی نجات کے لئے کافی ہو جائے' حالانکہ یہ حقیر سی شے ہے۔ دوسری طرف اگر کسی شخص کے پاس ایک کلو کھجوریں ہوں اور وہ ان میں سے آٹھ دس بھی خیرات کر دے تو بھی وہ اس مقام کو تو نہیں پہنچ سکتا۔

اس اعتبار سے تقویٰ کی تین اقسام ہو گئیں۔ ایک تقویٰ اخلاقی اعتبار سے' جو انسان کا اپنے اندر موجود اخلاقی حس یا ضمیر کی راہنمائی میں بدی کو پہچان کر اس سے بچنا اور اجتناب کرنا ہے' خواہ اس تک وحی کی روشنی ابھی پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو۔ قرآن کے نزول

اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی دنیا میں ایسے اشخاص موجود تھے جو تقویٰ کے اس معیار پر پورے اترتے تھے۔ تقویٰ کے اس معنی میں قرآن اپنے آپ کو "هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" کہتا ہے۔ یعنی یہ قرآن ایسے متقیوں کے لئے ہدایت ہے جو اپنی اخلاقی حس کی پیروی تو پہلے ہی سے کر رہے ہیں۔ ان کا دل اور ان کا ضمیر بتاتا ہے کہ یہ شے اچھی نہیں ہے تو وہ اس سے اجتناب کرتے ہیں۔ گویا ان میں قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے بنیادی اہلیت موجود ہے اور اب ان کے لئے مزید تعلیم و ہدایت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ مزید تعلیم و ہدایت کے لئے اللہ نے کتاب اتار دی ہے' اپنا نبی بھیج دیا ہے۔ اب ان کے لئے تقویٰ کا دائرہ وسیع ہو جائے گا۔ جو کچھ اس کتاب میں حلال ٹھہرایا گیا ہے وہ اب اسی تک محدود رہیں گے اور جس شے کو حرام قرار دیا گیا ہے اسے ترک کر دیں گے۔ اور اس طرز عمل کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ آخرت میں اللہ کے عذاب سے اور جہنم کی سزا سے بچ جائیں گے۔ تقویٰ کے یہ تین مفہوم ذہن میں رکھ کر اب پھر اس آیت کا مطالعہ کیجئے جس کا آغاز "يَاأَيُّهَا النَّاسُ" (اے لوگو!) کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔ ابھی یہاں "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا" سے خطاب نہیں ہے بلکہ پوری نوع انسانی' تمام انسان بحیثیت انسان اس کے مخاطب ہیں۔ نوع انسانی کا ہر فرد خواہ مرد ہو یا عورت "يَاأَيُّهَا النَّاسُ" میں شامل ہے۔

یہی مضمون سورۃ الحجرات کی آیت ۱۳ میں بھی وارد ہوا ہے اور وہاں بھی آیت کا آغاز "يَاأَيُّهَا النَّاسُ" سے ہوا ہے۔ سورۃ الحجرات کی کل اٹھارہ آیات ہیں' جن میں سے پانچ آیات "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا" کے الفاظ سے شروع ہو رہی ہیں۔ (واضح رہے کہ یہ نسبت قرآن حکیم کی کسی اور سورت میں موجود نہیں ہے) لیکن آیت ۱۳ اس اعتبار سے منفرد مقام کی حامل ہے کہ اس کا آغاز "يَاأَيُّهَا النَّاسُ" کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔ میرے نزدیک یہ آیت سورۃ النساء کی پہلی آیت کی ہم وزن آیت ہے۔ یہاں فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ﴾ "اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا" یعنی نوع انسانی کا آغاز آدم و حوا سے ہوا۔ یہاں "نفس واحدۃ" کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ ﴿وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ﴾

"اور ہم نے تمہاری برادریاں اور قبیلے بنا دیئے"۔ یعنی پہلے خاندان اور برادریاں وجود میں آئیں' ان سے قبیلے بنے' قبیلوں سے قومیں تشکیل پائیں۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں قوم میں اتنے قبیلے اور اتنے خاندان ہیں' مثلاً ٹوقبیلے میں "مانیکے" اور "لالیکے" وغیرہ کی تقسیم ہے۔

قوموں اور قبیلوں وغیرہ کی تقسیم کی غرض وغایت یہ بیان کی گئی کہ ﴿لِتَعَارَفُوا﴾ "تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو" ـــــ ایک دوسرے سے اس بنیاد پر تعارف ہو سکے کہ اس شخص کا تعلق فلاں قبیلے سے ہے جس کی یہ روایات ہیں' اس کا یہ تاریخی پس منظر ہے' ان لوگوں کی ایسی عادات ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ قرآن حکیم میں سورۃ الروم میں "اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ" (تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف) کو اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانیوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔ اگر ساری دنیا میں ایک ہی جیسے انسان ہوتے' ان میں رنگ و زبان کا کوئی فرق نہ ہوتا تو ان کی شناخت کیسے ممکن ہوتی۔ اب ہم صرف رنگ یا زبان سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ شخص فلاں قبیلے یا فلاں قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم کسی شخص کی صرف شکل و صورت سے اندازہ کر لیتے ہیں کہ یہ چین کا رہنے والا ہے' اور ان لوگوں کی فلاں فلاں خصلتیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہم کسی شخص کے صرف لہجے سے معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ سرائیکی علاقے کا ہے۔

عزت کا قرآنی معیار

اب آگے عزت و فضیلت کا معیار بتایا جا رہا ہے۔ فرمایا: یہ رنگ و نسل اور قبیلوں اور قوموں کی تقسیم عزت کی بنیاد نہیں ہے۔ بلکہ ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ یقیناً تم میں زیادہ باعزت اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہے"۔ انفرادی سطح پر انسان کے لئے سب سے بڑی بات یہ ہوتی ہے کہ معاشرے میں اسے باعزت سمجھا جائے۔ اس اعتبار سے مختلف معیارات کو عزت کی بنیاد سمجھ لیا جاتا ہے۔ اور یہ مرض مَردوں کی نسبت عورتوں میں زیادہ ہوتا ہے کہ وہ لباس' زیور' دولت' مکان اور خاندان وغیرہ کو عزت کا معیار بنا لیتی ہیں۔ مَردوں کی آمد و رفت چونکہ زندگی کے زیادہ وسیع حلقے کے اندر ہوتی ہے اور انہیں زیادہ وسیع النوع قسم کے مسائل سے واسطہ پڑتا ہے' لہٰذا

ایک طرح سے ان کا ذہنی افق وسیع ہوتا چلا جاتا ہے، اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ؎

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد!

چنانچہ بہت سے مرد ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی ذہنیت عورتوں والی ہوتی ہے اور بہت سی عورتیں مردوں کی طرح کا مزاج رکھتی ہیں۔ لیکن عام قاعدہ یہی ہے کہ عورتوں کا دائرہ چونکہ محدود ہوتا ہے لہٰذا ان کے ہاں یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں زیادہ اہمیت اختیار کر لیتی ہیں اور وہ ان کی بناء پر اونچ نیچ کے معیارات قائم کر لیتی ہیں کہ ہم معزز خاندان سے ہیں، خان ہیں یا چودھری ہیں اور فلاں تو کمی کاری ہیں۔ ہماری تو کوٹھی اتنی بڑی ہے اور ان کی ہمارے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو انفرادی سطح پر ہماری ساری بھاگ دوڑ اور جُہد و کوشش ان معیارات کو حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ ہماری سوچ یہ ہوتی ہے کہ ہم زیادہ نمایاں اور زیادہ باحیثیت ہو جائیں، ہمیں زیادہ لوگ پہچانیں، ہماری زیادہ عزت اور زیادہ آؤ بھگت کی جائے، ہمارا اعزاز و اکرام زیادہ ہو۔ مَردوں میں اس سے بڑھ کر یہ سوچ پروان چڑھتی ہے کہ ہمارے پاس اقتدار ہو ایک شخص سوچتا ہے کہ گلی کی چودھراہٹ میرے پاس ہو، محلے کی چودھراہٹ میرے پاس ہو۔ اس سے آگے بڑھ کر وہ شہر کی چودھراہٹ اور پھر ملک کے اقتدار کی خواہش رکھتا ہے۔ انفرادی اور نچلی سطح پر انسانوں کے اندر بغض و عناد، دشمنی، نفرتیں، کدورتیں اور مسابقتیں انہی بنیادوں پر پیدا ہوتی ہیں کہ کون اونچا ہے کون نیچا، کون اعلیٰ ہے کون ادنیٰ، کون برتر ہے اور کون کم تر۔ اس آیت میں ان تمام معیارات کی نفی کرتے ہوئے عزت کا معیار "تقویٰ" کو بنایا گیا ہے۔ سورۃ النساء کی پہلی آیت میں تقویٰ کا ذکر آغاز میں آیا تھا، جبکہ سورۃ الحجرات کی تیرھویں آیت میں تقویٰ کا ذکر بعد میں آیا ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ "اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ ذہنوں سے ان مروّجہ معیارات کو نکال دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑے تزکیۂ نفس کی ضرورت ہے۔ کوئی شے عزت کی بنیاد نہ ہو، نہ رنگ و نسل اور خون، نہ شکل و صورت، نہ مال و دولت۔ یہ کڑوی گولی آسانی کے ساتھ

حلق سے نیچے اترنے والی نہیں۔ یوں سمجھیں جیسے کلمۂ توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا تو آسان ہے لیکن بالفعل سارے "الٰہوں" کا انکار کرنا تو بہت مشکل ہے۔ کہیں ہمارا نفس ہمارا "اِلٰہ" بنا ہوا ہوتا ہے' جیسے قرآن حکیم میں کہا گیا : اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰىہُ "کیا آپؐ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے؟"۔ کہیں دولت کو معبود بنایا جاتا ہے' حدیثِ نبوی ہے تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْھَمِ "ہلاک ہو جائے دینار و درہم کا بندہ"۔ ایسے شخص کا نام اگرچہ عبدالرحمٰن ہو لیکن حقیقت میں وہ عبدالدینار ہے۔ اس کے ایمان کا معاملہ ہی درہم و دینار کے ساتھ متعلق ہے۔ چنانچہ "لاالٰہ الااللہ" زبان سے کہنا تو آسان ہے لیکن اس کے تقاضے پورا کرنا بہت مشکل ہے۔ بقول اقبال ؎

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

تو جس قدر توحیدِ الوہیت پر حقیقی اعتبار سے کاربند ہونا مشکل ہے اتنا ہی مشکل یہ کام ہے کہ انفرادی سطح پر انسان اپنے اندر سے برتری اور اونچ نیچ کے معیارات کو بالکل نکال کر صرف تقویٰ کے اوپر قائم ہو۔

آیت کے آخر میں فرمایا : ﴿اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾ یعنی "اللہ جاننے والا باخبر ہے"۔ سورۃ النساء کی آیت کا آخری ٹکڑا تھا : اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا "اللہ تم پر نگران ہے"۔ تم ہر وقت اس کی نگاہ میں ہو' کبھی اس سے اوجھل اور غائب نہیں ہو سکتے۔ عربی کی ایک نظم کا ایک بڑا پیارا مصرع ہے : "اَغِیْبُ وَ ذُوا للَّطَائِفِ لَا یَغِیْبُ" یعنی "میں غائب ہو جاتا ہوں (یا ہو جاتی ہوں) اللہ تعالیٰ تو غائب نہیں ہوتا۔" انسان خود محجوب ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ تو محجوب نہیں ہوتا۔ یہاں فرمایا "اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ"۔ اور یہاں خاص طور پر "خبیر" کا یہ پہلو ذہن میں رکھئے کہ وہ خوب باخبر ہے کہ کس میں تقویٰ ہے کس میں نہیں ہے۔ کس میں کم ہے اور کس میں زیادہ ہے۔ اس لئے کہ اس کا علم صرف ظاہر پر موقوف نہیں ہے' اس کا علم تو باطن کا بھی احاطہ کئے ہوئے ہے۔ وہ علیمٌ بذاتِ الصدور ہے۔ وہ خوب جانتا ہے جو کچھ سینوں کے اندر مخفی ہے۔ وہ

ہماری نیتوں اور ارادوں کو بھی جانتا ہے۔ بسا اوقات انسان خود اپنے ارادے کو نہیں پہچان سکتا اور وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے کہ میں یہ کام نیکی کے لئے کر رہا ہوں' جبکہ اس کے پیچھے کوئی اور جذبۂ محرکہ کار فرما ہوتا ہے۔ مثلاً علّی یا تکبر جیسے جذبات کی تسکین مقصود ہوتی ہے' لیکن وہ کہتا ہے کہ میں تو بھلائی کے لئے کر رہا ہوں۔ بہرحال اللہ خوب جانتا ہے کہ کس کی حقیقی نیت کیا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلا مرحلہ یہی ہے کہ انفرادی سطح پر تقویٰ کی زندگی گزاری جائے۔

دوسرے نمبر پر یہ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' مختلف داعیات اور جذبات کے ساتھ ساتھ ایک جذبہ مسابقت کا بھی رکھا ہے۔ انسان کے اندر ایک جذبہ بھوک کا ہے۔ اسے بھوک لگتی ہے لہٰذا غذا اس کی ضرورت ہے۔ اگر انسان کو بھوک ہی نہ لگے تو وہ کاہے کو معاشی جدّوجہد کرے؟ ایسے ہی ایک جنسی جذبہ ہے جو مرد اور عورت دونوں میں موجود ہے۔ اگر انسان میں یہ جذبہ موجود نہ ہو تو وہ کاہے کو شادی کرے' کاہے کو بچوں کا بوجھ اٹھائے اور اپنے لئے مشقت مول لے۔ اسی طرح انسان کے اندر ایک جذبہ مسابقت کا ہے کہ وہ دوسروں سے آگے نکلنا چاہتا ہے۔ اسلام اس جذبہ مسابقت کو divert کرتا ہے' اسے صحیح سمت میں ڈالتا ہے کہ وہ دولت میں آگے نکلنے کی کوشش نہ کرے بلکہ تقویٰ میں آگے نکلے۔ اس لئے کہ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ"۔ ایک مسلمان بندہ دنیا کی نگاہوں میں آگے نکلنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اللہ کی نگاہ میں آگے نکلنے کی کوشش کرے۔ اب اللہ کی نگاہ میں ہے کہ کون زیادہ متقی ہے' زیادہ پرہیزگار ہے' کون زیادہ بھلائی کر رہا ہے' کون زیادہ وقت اور زیادہ صلاحیت اللہ کی رضاجوئی میں لگا رہا ہے۔ جیسے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "تم دنیا کے معاملے میں ان کو دیکھو جو تم سے پیچھے ہیں اور دین کے معاملے میں انہیں دیکھو جو تم سے آگے ہیں۔" اگر آپ انہیں دیکھیں گے جو دین اور تقویٰ میں آپ سے آگے ہیں تو جذبۂ مسابقت ابھرے گا اور آپ بھی اس میدان میں آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے۔ پھر آپ کے لئے دین پر چلنا آسان ہو گا۔ پھر آپ کا انداز فکر یہ ہو گا کہ اگر ہم نے اپنے گھر میں شرعی پردہ نافذ کر دیا ہے تو کونسی قیامت آگئی ہے' اس سے کوئی موت تو واقع نہیں ہو

گئی۔ یہی ہوا ہے نا کہ کچھ تھوڑی بہت شکر رنجیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ کوئی یہی کہہ دے گا نا کہ انہیں دین کا ہیضہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ دین کی خاطر آپ ان مشکلات کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں گے جو دین پر عمل کرنے میں پیش آئیں گی۔ ہمارے لئے اس سے بڑی بات کیا ہے کہ ہمارے آئیڈیل تو محمد ﷺ ہیں۔ خواتین کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ہماری آئیڈیل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ہمارے لئے اسوۂ حسنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں جنہوں نے اپنی ساری دولت حضور کے قدموں میں ڈال دی۔ تو اس حوالے سے دین اور تقویٰ میں ہمیشہ ان پر نگاہ رہے جو ہم سے آگے ہیں اور دنیا کے اعتبار سے انہیں دیکھا جائے جو ہم سے پیچھے ہیں۔ یہ دیکھا جائے کہ مجھے تو دو وقت کی روٹی مل رہی ہے' فلاں کے گھر ایک وقت چولہا جلتا ہے' لہٰذا اللہ کا شکر ادا کیا جائے۔ شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ ایک دفعہ سفر حج سے پیدل واپس آ رہے تھے اور ان کے پاؤں میں جوتی نہیں تھی۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ اللہ نے دنیا والوں کو اتنا زیادہ دے رکھا ہے اور میرے پاؤں میں جوتی بھی نہیں ہے۔ کسی گاؤں میں پہنچے اور مسجد میں گئے تو وہاں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے دونوں پاؤں ہی نہیں تھے۔ اس پر آپ فوراً سجدے میں گر گئے کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرے پاؤں تو صحیح سالم رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ جو شے انسان کے پاس نہ ہو وہ اس پر افسوس نہ کرے' بلکہ جو شے اس کے پاس موجود ہو' اس پر شکر کرے۔ اگر ہم دین اور تقویٰ میں انہیں دیکھیں جو ہم سے آگے ہیں تاکہ ان کی پیروی کرنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا جذبہ پیدا ہو جائے تو یہ وہ مسابقت ہے جو مطلوب ہے۔ اور واضح رہے کہ یہاں "اَتْقٰی" افعل التفضیل کا صیغہ Comparative ڈگری کے مفہوم میں نہیں بلکہ Superlative ڈگری کے معنوں میں آیا ہے۔ ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ﴾ "تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہے۔"

مسلمان مرد و عورت کے مطلوب اوصاف

اب تک جو میں نے گفتگو کی ہے اس سطح پر مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق

نہیں۔ اس سطح پر ہمیں بھرپور راہنمائی سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۵ سے ملتی ہے جو قرآن مجید کی طویل ترین آیات میں سے ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دس اوصاف گنوائے ہیں جو مَردوں اور عورتوں دونوں میں مطلوب ہیں۔ عام طور پر قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ وہ ان صفات کا ذکر مذکر کے صیغوں میں کر دیتا ہے جو مسلمان مرد و عورت سے مطلوب ہیں۔ اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ بر سبیلِ تغلیب ایک بات جب مَردوں کے بارے میں بیان کر دی جائے تو وہ عورتوں کے بارے میں از خود بیان ہو جاتی ہے۔ جیسے ایک مجمع میں اگر مرد بھی ہوں اور خواتین بھی موجود ہوں تو ہر جملے میں ان دونوں سے تخاطب کا لحاظ کرنا گفتگو میں طوالت کا باعث بھی بنتا ہے اور دِقت کا بھی۔ لہٰذا روئے سخن مَردوں کی طرف ہو گا اور عورتیں اس میں خود بخود شامل سمجھی جائیں گی۔ قرآن مجید کے اس اسلوب سے بعض لوگوں نے یہ غلط نتیجہ نکالا ہے کہ اسلام میں شاید عورت کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے کہ بالعموم ان سے براہ راست خطاب نہیں کیا جاتا۔ یہ دراصل اس قاعدے کو نہ جاننے کی وجہ سے ہے کہ مَردوں سے خطاب بر سبیلِ تغلیب ہے اور عورتیں اس میں از خود شامل ہیں۔ لیکن قرآن حکیم میں کہیں کہیں مَردوں کے ساتھ خاص طور پر عورتوں کا ذکر بھی کیا جاتا ہے تاکہ کہیں مغالطہ نہ ہو جائے۔

اس مقام پر بھی دس اوصاف اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ ایک ایک وصف کو خاص طور پر دہرا دہرا کر مَردوں اور عورتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ ان اوصاف اور خصوصیات کے اعتبار سے مَردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ..... ﴾ "یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں" ـــــ "مُسلِم" کے قانونی معنیٰ میں ہم سب مسلمان ہیں۔ تمام مسلمان عورتیں "مُسلِمات" ہیں۔ لیکن "مسلم" کے لفظی معنی ہیں "سرِ تسلیم خم کر دینے والا"۔ یعنی اطاعت گزار' حکم بردار اور فرماں بردار۔

﴿ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ﴾ "اور تمام مومن مرد اور مومن عورتیں"۔ یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ سب تقویٰ کی صفات بیان ہو رہی ہیں اور

تقویٰ کی جڑ ایمان ہے۔ اگر اللہ پر ایمان ہے تب ہی آپ اس کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں سے بچیں گے۔ اگر قرآن پر ایمان ہے تب ہی آپ اس کے بتائے ہوئے فرائض پر کاربند ہوں گے۔ لیکن "ایمان" صرف زبانی اقرار والا نہیں بلکہ یقین اور تصدیق قلبی والا ایمان مطلوب ہے۔ "الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَات" میں ہمارا ظاہری رویہ بیان ہوا ہے کہ ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں اور قانونی طور پر ہم اللہ، رسول، اور آخرت کو مانتے ہیں۔ لیکن اس کی اصل جڑ بنیاد اور باطنی پہلو کو "وَالْمُؤمِنِينَ وَالْمُؤمِنَات" کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ ﴾ "اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں"۔ قنوت کہتے ہیں کھڑے رہنے کو، لیکن اس سے مراد فرمانبرداری کے انداز میں مؤدب کھڑے ہونا ہے۔ جیسے بادشاہوں کے دربار میں ان کے خَدَم و حَشَم فرمانبردارانہ دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔ اسی لئے وہ دعا دعائے قنوت کہلاتی ہے جو نماز میں کھڑے ہو کر مانگی جاتی ہے۔ چنانچہ اس صفت سے مراد یہ ہے کہ ہر وقت ادب کے ساتھ تیار رہنا کہ جو حکم ملے گا اسے بجالائیں گے۔

﴿ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ ﴾ "اور راست گو اور راست باز مرد اور راست گو اور راست باز عورتیں"۔ "صِدق" سچائی کو کہتے ہیں، لیکن اس کا مفہوم محض "سچ بولنا" نہیں بلکہ قول کے علاوہ رویئے میں بھی راست بازی ضروری ہے۔ بعض اوقات آپ زبان سے تو سچ بول رہے ہوتے ہیں لیکن آپ کا انداز اور آپ کا رویہ آپ کے باطن میں پوشیدہ کدورتوں کا اظہار کر رہا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے "الصَّادقينَ وَالصَّادقات" کا ترجمہ محض "سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں" نہیں کیا بلکہ "راست گو اور راست باز مرد اور راست گو اور راست باز عورتیں" کیا ہے۔

﴿وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ ﴾ "اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں"۔ صبر کا مفہوم بھی بہت جامع ہے۔ عربی میں "صَبِر" ایلوا کو کہتے ہیں جو بہت

کڑوا ہوتا ہے۔ بعض طبیب اسے دوائی کے طور پلواتے ہیں اور مریض کو اس کے کڑوے گھونٹ پینے پڑتے ہیں۔ گویا صبر کا بنیادی مفہوم برداشت کرنا ہے۔ چنانچہ صبر معصیت پر بھی ہے کہ خود کو گناہوں سے روکا جائے چاہے اس کی کتنی ہی خواہش ہو۔ اس لئے کہ اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ صبر آزمائش پر بھی ہے' کہ دین پر چلنے میں جو آزمائشیں اور تکالیف آئیں ان کو برداشت کیا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا" یعنی "یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ثابت قدم رہے..." اگر استقامت اختیار نہ کی تو اللہ کی طرف سے ڈانٹ آ جائے گی: "اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ" "کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ محض یہ کہنے سے چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا؟" اسی طرح صبر اطاعت پر بھی ہے کہ جو حکم بھی ملے اسے بجالایا جائے' خواہ طبیعت آمادہ ہو یا اس پر جبر کرنا پڑے۔ مثلاً شدید سردی میں گرم پانی میسر نہ ہو تو ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنی پڑھے گی۔ اس لئے کہ وضو نماز کی شرط ہے۔

﴿وَالْخَاشِعِیْنَ وَالْخَاشِعَاتِ﴾ "اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں"۔ "خشع" جھک جانے کو کہتے ہیں۔ "قنوت" یہ کیفیت ہے کہ ادب کے ساتھ مستعد ہو کر کھڑے رہنا کہ جو حکم آئے گا اسے بجالائیں گے' لیکن خشوع یہ ہے کہ کسی کی عظمت' کسی کے رعب اور دبدبے اور کسی کے جلال کے خیال سے دل اندر سے جھکا ہوا ہو۔ چنانچہ یہاں جلالِ خداوندی کے خیال سے دل میں جھکاؤ پیدا ہونا مراد ہے۔

﴿وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ﴾ "اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں"۔ عورتیں عام طور پر یہ کہہ دیتی ہیں کہ مال تو مردوں کے پاس ہوتا ہے' حالانکہ ہر عورت نے کچھ نہ کچھ رقم ضرور پس انداز کی ہوتی ہے اور اس میں سے خرچ کرنا اس پر شاق گزرتا ہے۔ اپنا پیٹ کاٹ کر اپنی ضروریات' اپنی خواہشات اور اپنی پسندیدگیوں کو ترک کر کے اللہ کی رضا کی خاطر ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کا بہت

زیادہ اجر و ثواب ہے۔ اس میں اصل سوال مقدار اور کمیت کا نہیں ہے بلکہ اصل اعتبار کیفیت اور نوعیت کا ہے کہ آدمی کس حال میں کیا خرچ کر رہا ہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت سا مال و دولت دیا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جو کچھ موجود تھا وہ سب کچھ لے آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے تمام اثاث الیت کا نصف لے آئے' ایک انصاری صحابیؓ نے ایک یہودی کے باغ میں رات بھر مزدوری کی اور کنویں سے کھینچ کھینچ کر پانی بھرتے رہے۔ پوری رات مشقت کرنے کے بعد انہیں معاوضے میں جو کھجوریں ملیں ان میں سے آدھی وہ اپنے گھر والوں کو راشن کے طور پر دے آئے اور آدھی لا کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیں۔ منافقین نے فقرے چست کئے کہ ان کھجوروں کے بغیر تو یہ لشکر جا ہی نہیں سکتا۔ لیکن حضورؐ نے ان کا یہ اعزاز کیا کہ ان کھجوروں کو سارے سامان پر پھیلانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ کھجوریں اللہ کی نگاہ میں اس پورے ڈھیر سے زیادہ افضل ہیں۔ تو اللہ کے ہاں ناپ تول کے پیمانے ہمارے پیمانوں سے مختلف ہیں۔ واضح رہے کہ صدقہ و خیرات میں زکوٰۃ بھی شامل ہے جو ہر صاحب نصاب پر واجب ہے اور دیگر نفلی صدقات بھی!

﴿ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ ﴾ "روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں"۔ صوم کا خاص تعلق تقویٰ کے ساتھ ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ صوم کے بارے میں قرآن حکیم میں یہ آیت بھی آئی ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ گویا کہ صوم کی غرض و غایت ہی تقویٰ ہے۔

﴿ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ ﴾ "اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کرنے والی عورتیں"۔ اور عفت و عصمت کی حفاظت یہی نہیں ہے کہ صرف بدکاری اور زناکاری سے بچا جائے' بلکہ وہ احادیث ذہن میں رہنی چاہئیں جن میں بغیر کسی ضرورت کے کسی نامحرم عورت کی جانب دیکھنے کو آنکھوں کا زنا' اور بغیر کسی ضرورت کے کسی نامحرم عورت کی آواز دلچسپی کے ساتھ سننے کو کانوں کا زنا قرار دیا گیا ہے۔ یہ فتنہ بہت وسیع ہے اور آج کی دنیا میں سب

سے بڑا فتنہ یہی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ "میں نے اپنی امت پر عورت سے بڑا فتنہ کوئی نہیں چھوڑا"۔ آج اسلام دشمن عالمی قوتیں اس عورت ہی کے فتنے کو ہوا دینے کے درپے ہیں۔ قاہرہ کانفرس ہو یا بیجنگ کانفرنس' ان کا مقصد یہی ہے کہ ایشیائی ممالک میں یورپ اور امریکہ کے مقابلے میں ابھی کسی نہ کسی درجے میں جو خاندانی نظام برقرار ہے اس پر کاری وار کیا جائے۔ لہٰذا عورت کی آزادی اور مساواتِ مرد و زن کے نعرے کی آڑ میں یہ قوتیں اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ عورت کے پردہ اور حجاب کو فرسودگی کی علامت قرار دیا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ مرد و زن کو شانہ بشانہ کام کرنا چاہئے' یہ ہر اعتبار سے برابر ہیں۔ نہ ان کے حقوق میں کوئی فرق ہے اور نہ نکاح و طلاق کے اختیارات میں کوئی فرق ہے۔ دو عورتیں اگر باہم شادی کرنا چاہیں اور شوہر بیوی کے طور پر رہنا چاہیں تو انہیں اس کا حق حاصل ہے اور اگر دو مرد آپس میں شادی کر لیں اور شوہر اور بیوی کی حیثیت سے رہنا چاہیں تو ان کا بھی یہ قانونی حق ہے۔

انسدادِ فتنہ کے لئے اسلام کے اقدامات

یہ فتنہ آج کا سب سے بڑا فتنہ ہے اور اسلام نے اس فتنے کے سدِباب کے لئے تین درجوں میں اقدامات کئے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کے دائرۂ کار علیحدہ ہیں۔ مرد و زن کے اختلاط اور ان کے مخلوط اجتماعات کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ لہٰذا لڑکیوں کے تعلیمی ادارے الگ ہوں اور لڑکوں کے الگ ہوں۔ لڑکیوں کو خواتین اساتذہ تعلیم دیں اور لڑکوں کو مرد اساتذہ اسی طرح مردوں کے ہسپتال علیحدہ ہوں اور عورتوں کے علیحدہ۔ خواتین کے ہسپتال میں لیڈی ڈاکٹرز اور خواتین نرسیں ہوں جبکہ مَردوں کے ہسپتال میں مرد ڈاکٹر اور میل نرسز ہوں۔ کیا مَردوں کے ہسپتالوں میں خواتین نرسوں کا ہونا ضروری ہے؟ کیا مرد یہ کام نہیں کر سکتے؟ خواتین کا علاج خواتین کو کرنا چاہئے۔ تاہم اگر کسی جگہ لیڈی ڈاکٹر نہ ہو تو پردے اور ستر کے احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے مرد ڈاکٹر سے بھی علاج کرایا جا سکتا ہے۔ بہرحال اسلام میں اختلاط مرد و زن کی اجازت قطعاً نہیں ہے اور اسلام ان دونوں کے الگ الگ دائرۂ کار متعین کرتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اسلام کے معاشرتی نظام میں فرائض کی تقسیم یہ ہے کہ مرد کے ذمے حال ہے' جبکہ عورت کے ذمے مستقبل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مستقبل کی اہمیت حال سے زیادہ ہوتی ہے۔ بچے کی پیدائش کے بعد ماں ہی کی گود میں اس کی پرورش ہوگی' جو گویا اس کا پہلا مدرسہ ہے اور ماں کے دودھ کے ساتھ ہی بچے میں اچھے جذبات و احساسات منتقل ہوں گے۔ اگر ماں کے اندر تقویٰ موجود ہو گا تو ماں کے دودھ میں بھی اس کے اثرات ہوں گے جو بچے میں منتقل ہوں گے۔ تو یہ مستقبل کی انتہائی اہم ذمہ داری عورت پر ڈالی گئی ہے' جبکہ مرد کے ذمے حال یعنی معاشی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری ہے۔ فرائض کی اس تقسیم کے باوجود اسلام نے عورت کو گھر میں مقید نہیں کیا' بلکہ وہ ضرورت کے تحت گھر سے باہر جا سکتی ہے۔ لیکن اس صورت میں اسلام نے اسے حجاب کا تحفظ فراہم کیا ہے۔ سوائے ایک محدود تعداد کے رشتہ داروں کے (جن کی تفصیل سورۃ النور میں موجود ہے) عورت کسی کے سامنے بغیر پردے کے نہ آئے۔ وہ باہر نکلے گی تو پورے حجاب میں ہو گی' جس کا حکم سورۃ الاحزاب میں موجود ہے۔ حجاب کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ لمبی سی بڑی چادر اوڑھ کر اس کا ایک حصہ چہرے کے سامنے لٹکا لیا جائے یا برقع پہن کر اس کا نقاب سامنے لٹکا لیا جائے۔ اب جو محرم رشتہ دار ہیں' مثلاً بیٹا' بھائی یا باپ' تو ان سے حجاب نہیں ہے' البتہ ستر کی پابندی وہاں بھی ضروری ہے۔ چنانچہ ان کے سامنے بھی سوائے چہرے کی ٹکیہ' ہاتھ اور ٹخنوں کے نیچے پاؤں کے جسم کا کوئی حصہ کھلا ہوا نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے آگے کی اجازت صرف شوہر کے لئے ہے۔

کسی اشد ضرورت کے تحت عورت معاشی جدّوجہد میں بھی شریک ہو سکتی ہے۔ مثلاً کسی بڑی قوم سے مقابلہ ہو جس کے مرد اور عورت معاشی میدان میں بھرپور کام کر رہے ہوں اور اس کے مقابلے میں اپنی قوم کی معاشی حالت بہت ابتر ہو' یا کسی خاتون کو کوئی ذاتی مجبوری درپیش ہو تو اسلام عورت کو معاشی میدان میں آنے سے نہیں روکتا۔ لیکن اس صورت میں بھی نہ تو ستر و حجاب کی پابندی میں کوئی نرمی ہو گی اور نہ ہی اختلاطِ مرد و زن کی اجازت ہو گی۔ چنانچہ ایسے کارخانے قائم کئے جا سکتے ہیں جہاں صرف عورتیں کام کریں اور ان کی نگرانی کرنے والی بھی عورتیں ہوں۔ عورتوں کو کاٹیج انڈسٹری دے دی جائے

کہ وہ گھروں میں بیٹھ کر کام کریں۔ سوئٹزر لینڈ میں گھڑیوں کے پرزے گھروں پر ہی تیار ہوتے ہیں۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ پرائمری کی سطح تک سکولوں میں کسی مرد استاد کو ملازم نہ رکھا جائے۔ پرائمری تک کے بچوں میں ابھی جنسی شعور نہیں ہوتا اور چھوٹے بچوں کو تدریس کے دوران نرمی اور شفقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ وصف اللہ تعالیٰ نے مردوں کی نسبت عورتوں میں زیادہ رکھا ہے۔ لہٰذا پرائمری کی سطح تک کی تعلیم بالکلیہ خواتین کے سپرد کردی جائے۔

بہرحال یہ تین درجے ہیں جن میں اسلام نے اس فتنے سے بچنے کے لئے مرد و عورت پر پابندیاں عائد کی ہیں--- (i) مرد و زن کا عدم اختلاط (ii) فرائض کی جداگانہ تقسیم (iii) ستر و حجاب کی پابندی۔ ان سے مقصود کیا ہے؟ یہی جو ان الفاظ میں بیان کیا گیا۔ "وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ"--- یعنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنا ہے کہ کہیں جنسی طور پر شہوت کا کسی اعتبار سے غلط استعمال نہ ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ خاندان تباہ ہو جائے گا اور معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔

اب آخری شے یہ بیان کی گئی: ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾ "اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں"۔ ذکر سے مراد یاد دہانی اور اللہ کو یاد کرنا ہے۔ دین کے محدود تصور کی بنا پر ہم نے ذکر کے مفہوم کو بھی تسبیح کرنے اور اللہ اللہ کرنے تک محدود کر دیا ہے' حالانکہ سب سے بڑا ذکر مجید قرآن ہے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت زیر مطالعہ سے پہلی آیت (۳۴) کے الفاظ ہیں: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ یعنی "(اے نبیؐ کی بیویو!) اور یاد کرتی رہا کرو ان چیزوں کو جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت میں سے تلاوت کی جاتی ہیں۔" چنانچہ سب سے بڑا ذکر تو قرآن ہے۔ پھر نماز بھی ذکر ہے۔ فرمایا: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ "نماز قائم کرو میری یاد کے لئے"۔ پھر مسنون دعائیں بھی ذکر کی بہترین صورتیں ہیں کہ انسان دنیا کا جو کام بھی کر رہا ہو (یا کر رہی ہو) اس میں اس کے ساتھ ایک مسنون دعا اس کے لبوں پر ہو۔ اس سے دو نسبتیں قائم ہو جاتی ہیں' ایک اللہ کے ساتھ اور ایک رسول اللہ ﷺ کے ساتھ۔ چونکہ وہ اللہ سے دعا کر

رہا ہے لہٰذا اللہ سے نسبت قائم ہو گئی اور چونکہ یہ مسنون دعا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہے' آپ کی سکھائی ہوئی ہے لہٰذا حضور ﷺ سے نسبت قائم ہو گئی۔ بہرحال سورۃ الاحزاب کی اس آیۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بالکل متوازی اور ہم وزن دس اوصاف مردوں اور عورتوں کے لئے بیان فرمائے ہیں :

آخر میں فرمایا : ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ "اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے"۔ اللّٰھمّ ربّنا اجعلنا منھم! اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان میں شامل کرے' عورتوں کو بھی اور مردوں کو بھی! آمین یا ربّ العالمین!!

☆☆☆☆☆☆☆

(جاری ہے)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ :

((اِنَّ الرَّجُلَ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِهٖ مِنَ الْقُرْآنِ شَیْءٌ كَالْبَیْتِ الْخَرِبِ))

رواہ احمد والترمذی' وقال: حسن صحیح

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : "جس شخص کے سینے میں قرآن میں سے کچھ بھی محفوظ نہ ہو وہ ویران گھر کی مانند ہے"۔

ضرورت رشتہ

پشاور سے تعلق رکھنے والے ایک دینی مزاج کے متوسط گھرانے کی تعلیم یافتہ تین بچیوں کے لئے دینی مزاج کے حامل شریف گھرانوں سے رشتے درکار ہیں۔ بچیوں کی عمر بالترتیب ۲۷ سال' ۲۲ سال اور ۲۰ سال ہے۔

برائے رابطہ : معرفت وارث خان' 18۔اے' ناصر مینشن' شعبہ بازار' پشاور

☆ ☆ ☆

ایم اے اسلامیات' حافظ قرآن' رفیقہ تنظیم اسلامی' عمر لگ بھگ 22 سال' شیخ کاروباری گھرانے سے تعلق رکھنے والی بچی کے لئے موزوں رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ : معرفت میثاق' 36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

مسئلۂ ایمان و کُفر (۲)

قرآن و حدیث کی روشنی میں

مولانا محمد طاسین

ایمان کی شرعی حقیقت کے بارے میں جب ہم احادیث رسول ﷺ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمارے سامنے صحاحِ ستّہ کی ایک متفقہ اور مسلّمہ طور پر صحیح ترین حدیث جلوہ افروز ہوتی ہے جسے حدیثِ جبریل کہا جاتا ہے اور جو ایمان اور اسلام کی شرعی حقیقت کے بیان میں قول فیصل اور حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ بہتر ہو گا کہ یہاں اس حدیث کو عربی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ رقم کر دیا جائے :

عن ابن عمرؓ قال حدثنی ابی عمر بن الخطاب (رضی الله عنهما) قال بینما نحن عند رسولِ اللّٰه صلی الله علیه وسلم ذات یوم اذ طلع رجلٌ شدیدُ بیاضِ الثیابِ شدیدُ سوادِ الشعرِ لایُرٰی علیه اثر السفرِ ولا یعرفهٗ منا احدٌ حتیٰ جلَس الی النّبیِّ صلی اللّٰه علیه وسلم فاَسْنَدَ رُکبتَیه الیٰ رکبتَیه و وَضَع کَفّیه علیٰ فَخِذیه و قال : یامحمد اَخبِرنی عن الاسلام! فقال رسولُ الله صلی الله علیه وسلم : الاسلامُ ان تشهدَ ان لا الٰه الا اللّٰه وانَّ محمدًا رسولُ الله، و تُقیمَ الصلوٰۃَ، و تُوتی الزکوٰۃَ، وتصومَ رمَضان، وتحجّ البیتِ اِن استطعتَ الیه سبیلا، قال : صدقتَ ، قال : فعجبنا له یسأله و یصدّقه، قال : فاَخبرنی عن الایمان! قال : ان تومن باللّٰه وملائکتهٖ وکتبهٖ ورسلهٖ والیومِ الاخرِ وتؤمنَ بالقدرِ خیرهٖ وشرهٖ،

قال صدقتَ ' قال : فأخبرنی عن الإحسان! قال : ان تعبدَ اللّٰہَ کأنّکَ تراہ' فإن لم تکن تراہ فانّہ یراکَ....
(الحدیث' کتاب الایمان' صحیح مسلم)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے والد حضرت عمر بن الخطاب سے روایت کیا کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید اجلے اور بال بہت زیادہ سیاہ تھے اور اس شخص پر سفر کا کچھ اثر دکھائی نہ دیتا تھا (گویا وہ اجنبی مسافر نہ لگتا تھا) لیکن ہم میں سے کوئی اسے جانتا پہچانتا نہ تھا (گویا اجنبی تھا)۔ یہ شخص (مجمع میں بیٹھے ہوئے صحابہ کرام کے حلقہ سے گزرتا ہوا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب پہنچ کر اس طرح دو زانو ہو کر بیٹھ گیا کہ اس کے زانو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو مبارک سے ملے ہوئے اور اس کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی رانوں پر رکھے ہوئے تھے۔ (اس حالت میں اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف آپ کے نام سے مخاطب کرتے ہوئے) کہا: اے محمد (ﷺ) مجھے بتلایئے اسلام کی شرعی حقیقت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: اسلام کی حقیت یہ ہے کہ تم زبان سے یہ شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے رسول ہیں' اور نماز قائم کرو' اور زکوٰۃ ادا کرو' اور ماہ رمضان کے روزے رکھو' اور حج بیت اللہ کی استطاعت رکھتے ہو تو حج کرو۔ یہ جواب سن کر اس شخص نے کہا صدقتَ (آپ نے سچ و درست جواب دیا)۔ راوی حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ یہ شخص پوچھتا بھی ہے اور پھر خود اس کی تصدیق بھی کرتا ہے (کیونکہ پوچھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ نہیں جانتا اور تصدیق کرنے کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ جانتا ہے)۔ اس کے بعد اس شخص نے پوچھا کہ مجھے خبر دیجئے اور بتلایئے کہ ایمان کی شرعی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تیرے دل میں تصدیق کے ساتھ اللہ' اس کے ملائکہ' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور یوم آخرت کا پختہ اعتقاد ہو اور یہ کہ خیر و شر سب اللہ کی تقدیر کے تحت ہے۔ (یہ دوسرا جواب سن کر بھی) اس شخص نے کہا (آپ کا جواب ٹھیک اور درست ہے) آپ نے سچ کہا۔ پھر اس نے تیسری بات جو

پوچھی وہ یہ کہ احسان کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو' کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے"۔

میں نے اوپر حدیث کا صرف وہ حصہ نقل کیا اور اس کا ترجمہ پیش کیا ہے جو ایمان' اسلام اور احسان سے متعلق تھا۔ اس کے بعد اس حدیث میں قیامت اور علاماتِ قیامت کے متعلق سوال و جواب ہے جس کو میں نے بغرضِ اختصار چھوڑ دیا ہے۔

میں یہاں یہ عرض کر دینا مناسب و مفید سمجھتا ہوں کہ حدیث مذکور صرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی سے مروی نہیں بلکہ دوسرے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے لیکن متن حدیث کے الفاظ سب کے ہاں یکساں نہیں' اجمال و تفصیل وغیرہ کے لحاظ سے ان کے درمیان اختلاف ہے مثلاً امام مسلم نے مذکورہ حدیث کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے جو دوسری حدیث بیان کی ہے اس میں اسلام کے متعلق سوال کا جو جواب ہے اس میں اللہ کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت کی بجائے یہ ہے کہ تُو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے' اور حج بیت اللہ کا ذکر نہیں۔ اسی طرح اس میں ایمان کے متعلق سوال کے جواب میں اللہ' اس کے ملائکہ' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور آخرت کا ذکر تو ہے لیکن تقدیر پر ایمان کا ذکر نہیں' اگرچہ کتاب اللہ پر ایمان میں تقدیر پر ایمان بھی آ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ایمان شرعی کی جو تفصیل ہے وہ صرف پانچ ایمانی عقائد تک محدود ہے' عقیدۂ تقدیر اس میں مذکور نہیں۔

بہرحال حدیث جبریل سے متعلق مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی جو متعدد روایات ہیں ان کے مجموعے سے نیز دوسری بہت سے ایسی احادیث سے جو ایمان اور اسلام کی حقیقت کے بیان سے تعلق رکھتی ہیں اور جو کتب حدیث میں خصوصاً کتاب الایمان میں مذکور ہیں' صاف واضح ہوتا ہے کہ ایمان کی حقیقت پانچ مذکورہ ایمانی عقائد سے متحقق ہوتی ہے جن کا قرآن مجید کی بعض آیات میں واضح طور پر ذکر ہے۔ چنانچہ جس انسان کے قلب میں وہ پانچ ایمانی عقائد موجود اور جاگزیں ہوں وہ قرآن و حدیث کی رو

سے مومن کا مصداق ہوتا ہے۔

پھر چونکہ ایمان کا تعلق انسان کے قلب سے ہے جو باطنی چیز ہے لہٰذا اس کا براہ راست اور قطعی علم سوائے اللہ علیمٌ بذات الصدور کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ ایک انسان کو دوسرے انسان کے ایمان کا علم اس کے قول و عمل سے ہی ہو سکتا ہے لیکن چونکہ انسان کے قول و عمل میں صدق و کذب اور سچ و جھوٹ دونوں کا احتمال ہوتا ہے لہٰذا قول و عمل سے ایک انسان کو دوسرے انسان کے ایمان کا جو علم حاصل ہوتا ہے وہ قطعی نہیں' ظنی ہوتا ہے۔ یعنی اس کی کیفیت یقین کی نہیں ظن غالب کی ہوتی ہے' اور یہ ظنی علم ان احکام پر عمل کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے جو قرآن و حدیث میں ایک مومن کے متعلق بیان ہوئے ہیں۔

اسی طرح قرآن و حدیث میں مومن اور ایمان کی جو مخصوص صفات اور علامات بیان ہوئی ہیں ان سے بھی کسی انسان کے ایمان کا جو علم حاصل ہوتا ہے وہ بھی ظن غالب کے درجہ کا ہوتا ہے یقین کے درجہ کا نہیں ہوتا' اور دراصل یہ غالب ظن والا علم ہی وہ علم ہے جس کی بناء پر ایک بندۂ مومن کو ان امور و احکام کا مکلف اور ان حقوق و فرائض کا پابند بنایا گیا ہے جو ہر دوسرے مومن کے لئے اس کے ذمہ عائد کئے گئے ہیں' البتہ اس ظنی علم کی بناء پر کوئی شخص قسم کھا کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں شخص حقیقی طور پر یقیناً مومن ہے کیونکہ اس کا دارومدار قطعی و یقینی علم پر ہے جو کسی شخص کو دوسرے شخص کے قلبی ایمان کے متعلق حاصل نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح کسی شخص کے مسلم ہونے کے لئے حدیث جبریل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی عملی زندگی میں پانچ بنیادی ارکان موجود ہوں۔ وہ زبان سے کلمہ شہادت پڑھتا' نمازیں قائم کرتا' زکوٰۃ دیتا' ماہ رمضان کے روزے رکھتا اور بصورت استطاعت حج بیت اللہ کو فرض اور ضروری سمجھتا ہو۔ اور پھر اگرچہ ان مذکورہ پانچ ارکان کو ماننا اور ان پر عمل کرنا' اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کو ماننے اور ان پر عمل کرنے والے شخص کے دل میں ایمانی عقائد موجود ہیں جن کی بناء پر کوئی شخص مومن قرار پاتا ہے لیکن چونکہ یہ دلالت بھی جس قول و عمل کے ذریعے ہوتی ہے اس میں بھی صدق و کذب کا احتمال پایا

جاتا ہے لہٰذا یہ دلالت قطعی نہیں ظنی ہوتی ہے۔ چنانچہ قطعیت اور یقین کے ساتھ ایسے شخص کے متعلق مومن ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم اس کے مومن ہونے کی کوئی انسان نفی بھی نہیں کر سکتا کیونکہ دل کے اندر ایمان ہونے نہ ہونے کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ جو شخص دوسرے کے متعلق ایسا دعویٰ کرے وہ کاذب و جھوٹا قرار پاتا ہے۔ بہرحال ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان پر جو حقوق و واجبات عائد ہوتے ہیں وہ مذکورہ پانچ بنیادی ارکان کی بناء پر عائد ہوتے ہیں جو کسی انسان کی زندگی میں عملی طور پر پائے جاتے ہوں۔ غرضیکہ جو شخص مذکورہ پانچ ارکان کو مانتا اور ان پر عمل کرتا ہو وہ شرعی طور پر مسلم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ ایسے جملہ حقوق اور مراعات کا مستحق قرار پاتا ہے جو قرآن و حدیث میں ایک مسلمان کے لئے مقرر ہیں۔ ایسا شخص سوائے شرک جلی کے دوسرے کسی کبیرہ گناہ کی وجہ سے نہ دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے اور نہ ہی ان حقوق و واجبات سے محروم ٹھہرتا ہے جو ایک مسلم کے لئے مخصوص ہیں۔ شرک جلی' جیسے بت وغیرہ کی عبادت و پرستش' ایک ایسی چیز ہے جس سے دعویٰ ایمان و اسلام کی نفی ہو جاتی ہے اور ایسا شخص ان حقوق و واجبات سے محروم ہو جاتا ہے جو ایک مومن اور مسلم کے لئے شریعت اسلامی میں مقرر ہیں۔ اس کی کچھ مزید وضاحت یہ ہے کہ دائرہ ایمان و اسلام میں داخل ہونے کے لئے جس کلمہ کا پڑھنا شرط اور ضروری ہے وہ کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللّٰہ محمدٌ رسولُ اللّٰہ ہے۔ اس میں واضح اظہار اور صاف اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی اس کا اہل و مستحق نہیں کہ اس کی عبادت و پرستش کی جائے۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی بندوں کی ہر عبادت و بندگی کا حقدار ہے۔ کوئی کافر جب یہ کلمہ توحید پڑھتا ہے تو وہ پڑھتے ہی مشرف بہ اسلام ہو جاتا ہے لیکن پھر جب وہ کفار و مشرکین کی طرح سے کسی بت وغیرہ کی عبادت و پرستش کرتا ہے تو کلمہ توحید کے معنیٰ و مفہوم کا اپنے عمل سے انکار کر دیتا اور حلقہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔ شرک کو قرآن مجید میں ایک ایسا گناہ بتلایا گیا ہے جو ناقابل مغفرت ہے اور جس کے مرتکب پر جنت حرام قرار دی گئی ہے' جبکہ دوسرا ہر گناہ خواہ وہ کتنا ہی بڑا اور کبیرہ کیوں نہ ہو قابل مغفرت بتلایا گیا ہے۔ فرمایا :

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ

تَشَآءُ.....﴾ (النساء : ۴۸)

"یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کے گناہ کو نہیں بخشا اور اس کے سوا دوسرے ہر گناہ کو جس کے لئے چاہے بخشا اور معاف کرتا ہے"۔

سورۃ المائدہ کی آیت ہے :

﴿ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ... ﴾ (آیت ۷۲)

"حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے تو اس پر اللہ نے جنت حرام ٹھہرائی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم کی آگ ہے"۔

ایمان اور اسلام کی شرعی حقیقت کے بیان کے بعد اب وقت آیا ہے کہ کفر کی شرعی حقیقت پر روشنی ڈالی جائے اور اس کو واضح کیا جائے۔ کفر کی شرعی حقیقت کے متعلق قرآن و حدیث سے جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کفر' ایمان کی ضد اور نقیض ہے۔ دونوں ایک ساتھ کسی انسان کے اندر جمع اور موجود نہیں ہو سکتے۔ دوسری بات یہ کہ حقیقتِ کفر کا تعلق بھی انسان کے قلب و دل سے ہے اور وہ ایک باطنی چیز ہے جس کا قطعی اور یقینی علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ ایک انسان کو دوسرے انسان کے کفر کا علم ہو سکتا ہے تو صرف اس کے قول و عمل سے ہو سکتا ہے' اور قول و عمل میں چونکہ صدق و کذب اور سچ و جھوٹ دونوں کا احتمال ہوتا ہے لہٰذا ایک شخص کو دوسرے شخص کے کفر کا جو علم ہوتا ہے وہ قطعی نہیں ظنی ہوتا ہے اور اس کی حیثیت ظن غالب کی ہوتی ہے' جیسا کہ پہلے ایمان کے متعلق عرض کیا گیا۔ تیسری بات یہ کہ جس طرح ایمان پانچ مابعد الطبیعی غیبی حقیقتوں کی قلبی تصدیق اور ان کے پختہ اعتقاد کا نام ہے اسی طرح اس کے برعکس کفران حقیقتوں کی قلبی تکذیب اور دلی انکار کا نام ہے۔ کفر کا تعلق بھی انہی غیبی حقیقتوں سے ہے جن سے ایمان کا تعلق ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا۝ ﴾ (النساء : ۱۳۶)

"اور جس نے (دل سے) انکار کیا (اللہ کی ذات و صفات) کا' اللہ کے ملائکہ کا' اللہ کی کتابوں کا' اللہ کے رسولوں کا اور یوم آخر کا' پس وہ گمراہ ہوا بہت دور کی گمراہی میں"۔ (یعنی راہ حق سے انتہائی طور پر دور ہو گیا)

بالفاظ دیگر مطلب یہ کہ جن پانچ غیبی امور کو دل سے ماننے کا نام ایمان ہے ان کو دل سے نہ ماننے اور ان کا انکار کرنے کا نام کفر ہے۔ یا یوں کہئے کہ ایمان میں جن مابعد الطبیعی غیبی حقیقتوں کا اثبات ہے کفر میں ان کی نفی ہے۔ ایمان کا معنی و مفہوم ایجابی اور کفر کا مفہوم و مطلب سلبی نوعیت کا ہے۔

قرآن و حدیث کے مطالعے سے یہ بھی معلوم اور واضح ہوتا ہے کہ جس انسان کے دل میں ایمانی عقائد حقیقی اور صحیح طور پر موجود اور متمکن ہوں اس کی عملی زندگی میں خاص طرح کے اوصاف اور اعمال کا ظہور میں آنا ایک لازمی امر ہے۔ اللہ کی ذات اور اس کے جمالی و جلالی صفات کا عقیدہ بندہ مومن کو مجبور اور بے بس کر دیتا ہے کہ وہ ایسے اعمال اور طور طریقے عمل میں لائے جن سے اس کی بندگی' عاجزی' درماندگی اور نیاز مندی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اظہار ہوتا ہو' جس کا دوسرا نام عبادت و بندگی ہے۔ گویا اللہ کی ذات و صفات کے عقیدے کا اللہ کی عبادت و پرستش اور اس کی اطاعت و بندگی سے نہایت گہرا اور مضبوط تعلق ہے جیسا لازم و ملزوم کے مابین ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی بندے کے دل میں اللہ وحدہٗ لا شریک کا سچا اور پکا اعتقاد ہو اور وہ اس کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے جان و مال سے خالصتاً اس کی عبادت و بندگی نہ کرے۔ لہٰذا یہ ایک بالکل لازمی اور یقینی امر ہے کہ بندۂ مومن کی زندگی عبادتِ الٰہی سے مزین و آراستہ ہو۔ مسلم ہونے کی وجہ سے اس کی زندگی میں قولی' عملی اور بدنی و مالی ہر طرح کی عبادت و پرستش کا نماز' روزے' زکوٰۃ' حج اور شہادتین کی شکل میں پایا جانا لازمی و ضروری ہے۔ اسی طرح جس بندۂ مومن کے قلب میں یہ عقیدہ ہو کہ اللہ کی نازل فرمودہ کتابوں میں سے قرآن مجید آخری' جامع اور مکمل کتاب ہدایت ہے اس کے اندر عملی زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق جو ہدایات اور جو احکام و فرامین ہیں ان میں انسان کی دنیوی اور اخروی فوز و فلاح کی ضمانت پائی جاتی اور ان کے ذریعے

انسان کو مادی اور روحانی اعتبار سے پائیدار اور دائمی امن و اطمینان کی حیاتِ طیبہ اور خوشگوار زندگی حاصل اور نصیب ہو سکتی ہے اور وہ دنیا و آخرت کی سعادت و کامرانی سے ضرور بالضرور ہمکنار ہو سکتا ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ ایسا بندۂ مومن قرآنی ہدایات و تعلیمات پر عمل نہ کرے اور ان سے فائدہ نہ اٹھائے' بلکہ وہ تو اپنی اندرونی تحریک سے مجبور ہوتا ہے کہ عدل و احسان اور صلاح و تقویٰ کو اپنی زندگی کا لازمی جزو بنائے جس کو اختیار کرنے کی قرآن مجید میں واضح تعلیم اور شدید تاکید ہے۔

علیٰ ہذا القیاس جس بندۂ مومن کے دل میں یہ عقیدہ ہو کہ اللہ نے بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نبیوں اور رسولوں کا جو مقدس سلسلہ قائم فرمایا اس کے آخری اور کامل ترین نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' آپؐ نے بحیثیت نبی و رسول اپنے قول و عمل سے احکام الٰہیہ کی جو تعبیر' تشریح اور تفصیل فرمائی وہ سو فیصد صحیح اور مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع اور واجب العمل ہے اور اس کی حیثیت ناقابل تنسیخ شریعت کی ہے' ایسا بندۂ مومن اپنے لئے ازبس ضروری سمجھتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی سنتِ مطہرہ کی اتباع اور آپ کی پیش کردہ شریعت کی پوری طرح پیروی و پابندی کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو اسوۂ حسنہ اور اعلیٰ آئیڈیل قرار دے کر اپنی زندگی کو اس کے زیادہ سے زیادہ مطابق بنانے کی ہر ممکن کوشش عمل میں لائے۔

اسی طور جب بندۂ مومن کے دل میں یہ عقیدہ ہو کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور آخرت میں اس کو اس دنیا میں کئے گئے اعمال کی پوری جزاء و سزا ملنی ہے تو وہ ایسے اعمال صالحہ کے بجالانے میں کبھی ہمت نہیں ہارتا اور شکستہ خاطر نہیں ہوتا جن کے متعلق اسے یقین ہوتا ہے کہ ان کی جزاء اس کو اس دنیا کی زندگی میں نہیں مل سکتی حالانکہ ان اعمال کا بجالانا' انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

غرضیکہ ایمان جن قلبی عقائد کے مجموعے کا نام ہے وہ اپنے اندر ایک خاص طرح کی عملی زندگی کی اقتضاء رکھتے ہیں۔ چنانچہ جس انسان کے اندر وہ اپنی صحیح حقیقی شکل میں موجود ہوں اس کی عملی زندگی اعمال و اوصاف کے لحاظ سے ایک خاص شکل و صورت اختیار کرتی اور سامنے آتی ہے جو ایک کافر اور مشرک کی عملی زندگی سے بالکل مختلف اور

متفاوت ہوتی ہے۔ مومن کی عملی زندگی میں اسلامی عبادات 'صلوٰۃ 'صوم' زکوٰۃ' حج اور قربانی وغیرہ لازمی طور پر موجود ہوتی ہیں جبکہ کافر کی زندگی میں وہ بالکل موجود نہیں ہوتیں۔ اگر مشرک ہو تو غیراللہ کی عبادت جیسے بتوں وغیرہ کی پرستش اس کی عملی زندگی کا لازمی حصہ ہوتی ہے۔ مومن کی معاشرتی اور عائلی زندگی کے جو شرعی طور طریقے رو بعمل ہوتے ہیں وہ ایک کافر کی معاشرتی اور عائلی زندگی کے طور طریقوں سے نمایاں طور پر مختلف اور جدا ہوتے ہیں۔ مومن اپنی معاشی زندگی میں حلال و حرام اور پاک و ناپاک کے شرعی ضابطوں کا پابند ہوتا ہے' وہ حلال و پاک رزق و مال کماتا کھاتا ہے اور حرام و خبیث رزق سے پرہیز و اجتناب کرتا ہے' جبکہ اس کے برخلاف کافر کی معاشی زندگی حلال و حرام کے ان ضابطوں کی پابند نہیں ہوتی۔ وہ اپنے معاشی امور و معاملات کو اپنی آزاد مرضی سے طے کرتا اور اپنی خواہشات پر چلتا ہے۔ غرضیکہ جس پہلو اور جس گوشہ سے بھی دیکھا جائے ایک ٹھیٹھ مومن اور ایک ٹھیٹھ کافر کی عملی زندگی ایک دوسرے سے مختلف اور جدا نظر آتی ہے اور اس کی اصل وجہ یہ کہ ایک انسان کی عملی زندگی جن ذہنی افکار و نظریات اور جن اخلاقی احساسات و جذبات کی تحریک سے عمل میں آتی ہے وہ ایک مومن اور ایک کافر کے ایک دوسرے سے مختلف و متضاد ہوتے ہیں۔ زندگی اور اس کی کامیابی و ناکامی کے متعلق دونوں کا منتہائے نظر اور مطمع نگاہ ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہوتا ہے۔ مومن کا منتہائے نظر اور مطمع نگاہ بنی نوع انسان کا ہمہ جہت اور عالمگیر مفاد ہوتا ہے' جو مادی اور دنیوی بھی ہوتا ہے اور روحانی و اخروی بھی' جبکہ ایک کافر کا منتہائے نظر و مطمع نگاہ اپنا اور اپنے سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگوں کا محدود مادی اور دنیوی مفاد ہوتا ہے لہٰذا دونوں کی عملی زندگیوں کے درمیان کھلا اور نمایاں اختلاف پایا جانا ایک بالکل قدرتی امر ہے۔

بنا بریں کسی انسان کے متعلق یہ جاننے کا کہ وہ مومن ہے یا کافر' محسوس اور معروضی معیار اس کی عملی زندگی ہی ہوتی ہے۔ مومن کی عملی زندگی اس کے مومن ہونے پر اور کافر کی عملی زندگی اس کے کافر ہونے پر دلالت کرتی ہے' لہٰذا لازمی اور ضروری ہے کہ جب کسی انسان کے متعلق یہ فیصلہ کیا جائے کہ وہ مومن ہے یا کافر' تو یہ

فیصلہ اس کی عملی زندگی کے معیار پر ہونا چاہئے کیونکہ جہاں تک قلبی اور حقیقی ایمان اور کفر کا تعلق ہے جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا اس کا قطعی اور یقینی علم سوائے اللہ علیم بذات الصدور اور علّام الغیوب کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ بعض دفعہ بعض اشخاص کے متعلق انبیاء علیہم السلام کو ان کے کفر و ایمان کا جو علم ہوتا ہے وہ بذریعہ وحی یعنی اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے بالواسطہ طور پر ہوتا ہے براہ راست نہیں ہوتا۔ نیز جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا کسی انسان کے قول و عمل سے دوسرے کو اس کے مومن یا کافر ہونے کا جو علم حاصل ہوتا ہے وہ یقین کے درجہ کا نہیں ہوتا بلکہ ظنِ غالب کے درجہ کا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی بنا پر کوئی شخص قسم کھا کر نہیں کہہ سکتا کہ وہ مومن ہے یا کافر ہے کیونکہ اس کے لئے قطعی اور یقینی علم کا ہونا ضروری ہے۔ البتہ ایک مومن یا کافر کے متعلق دنیا میں جو شرعی احکام ہیں ان پر عمل کرنے کے لئے غالب ظن پر مبنی یہ ظنی علم کافی ہوتا ہے۔

(جاری ہے)

خلافت کی اصل حقیقت اور اس کا تاریخی پس منظر
اور عہد حاضر میں اس کے دستوری و قانونی اور معاشی و معاشرتی ڈھانچے اور اس کے
قیام کے لئے سیرت نبویؐ سے ماخوذ طریق کار کی تشریح پر مشتمل

ڈاکٹر اسرار احمد

داعی تحریک خلافت پاکستان
کے چار جامع خطبات کا مجموعہ' بعنوان :

خطبات خلافت

کا دیدہ زیب مجلد ایڈیشن بھی چھپ کر آ گیا ہے۔
سفید کاغذ' صفحات 212' قیمت : عام ایڈیشن 40 روپے' خصوصی مجلد ایڈیشن 80 روپے

علّامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم

ڈاکٹر ابو معاذ

صاحب مضمون میڈیکل ڈاکٹر ہونے کے علاوہ ادبیات فارسی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی رکھتے ہیں۔ فکر اقبال اور انقلاب ایران سے خصوصی شغف ہے۔ اپریل ۹۷ء میں امیر تنظیم اسلامی کی دعوت پر لاہور تشریف لا کر ایک سیمینار میں خطاب فرما چکے ہیں' اب ہماری فرمائش پر انہی افکار کو تحریری شکل دی ہے جس کی پہلی قسط ہدیہ قارئین ہے۔ (ادارہ)

قابل صد احترام ڈاکٹر اسرار احمد کی ذات میرے لئے کئی لحاظ سے اہم ہے۔ نہ صرف کچھ عرصہ پہلے (تقریباً بیس برس) مجھے آپ سے شرف نیاز حاصل رہا ہے اور چند مرتبہ آپ کی محفل میں بیٹھنے اور آپ کے افکار سے استفادہ کرنے کا موقع ملا ہے بلکہ آپ کا سلسلہ 'مضامین باقاعدگی سے میرے زیر مطالعہ رہا ہے اور میں نے مقدور بھر آپ کے رشحات قلم سے گہراندوزی کی ہے۔ سرزمین عجم اور اصحاب ایران کے شعروادب کا شغف ناچیز کو تاریخ علوم کی وادی پرخار میں مائل بہ سفر کرتا رہا ہے۔ اقبالیات کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے میں نے حضرت علامہ اقبال کے تفکرات کو اسی آئینے میں دیکھنے کی کوشش کی ہے جس میں علامہ اقبال کی ذات کا پرتو واضح نظر آنے لگتا ہے۔ غزالی' رازی' رومی' عطار' سنائی' غزنوی' نظیری نیشاپوری' عرفی شیرازی' ابوطالب کلیم' صائب تبریزی' میرزا غالب اور گرامی جالندھری' کے اشعار و افکار کا عکس ہرچند حضرت علامہ اقبال کے کلام پر واضح ہے' مگر ہر لحاظ سے آپ کا اسلوب منفرد ہے اور آپ کا شعر برائے شعر نہیں بلکہ کچھ اور ہی ہے اور آپ نے خود فرمایا ہے ؎

شعر را مقصود اگر آدم گری ست
شاعری ہم وارثِ پیغمبری ست

(شعر کا مقصد اگر انسانیت کی تعمیر ہے تو شاعری پیغمبری کی وراثت ہے)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی جانب سے مجھے حکم ملا ہے کہ میں اپنے خیالات کو قلمبند کروں اور حضرت علامہ اقبال کے افکار کے وہ پہلو قارئین کو اجاگر کروں جو فارسی علوم

اور حالات عجم سے طویل چشم پوشی کے نتیجہ میں قارئین کی اکثریت کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہے ہیں۔ میں نے چونکہ اقبالیات کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب سے بہت کچھ سیکھا ہے اس لئے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے مضامین کے ایک سلسلے کا آغاز کر رہا ہوں جو ممکن ہے غبار خاطر کو دور کر سکے اور قارئین تک حقائق کو پہنچا سکے۔ خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ ناچیز کو اس کی توفیق عطا کرے، ورنہ بقول عرفانی ؎

در دلِ تنگم قیامتہا بپاست
گفت من را طاقتِ گفتن کجاست

(میرے دل کی تنگ وادی میں قیامتیں برپا ہیں۔ جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ سب کچھ کہنے کی ہمت نہیں پا رہا۔)

جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کا اظہار اس لئے مشکل ہے کہ شاید عوام الناس کے لئے ایسے خیالات سے سمجھوتہ کرنا آسان نہ ہو کیونکہ ہمارے متداول نظریات ان سے کسی قدر ہم آہنگ نہیں ہیں۔ اور یہ بات ایسی ہے جو کہ ع

بدار توان گفت بہ منبر نتواں گفت

(تختہ دار پہ تو کہی جا سکتی ہے مگر منبر پہ نہیں کہی جا سکتی)

اس تمہید کے بعد ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں۔

ایران یا عجم سے کیا مراد ہے؟

ایران کا لفظ "آریان" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "آریاؤں کا وطن۔" پامیر کی بلند چوٹیوں اور ملحقہ وادیوں میں پھیلے ہوئے آریائی باشندے آج سے پانچ چھ ہزار برس پہلے شکار کھیلتے اور تھوڑے بہت گھریلو جانور پالتے ہوئے اپنی زندگی گزارتے تھے۔ جب ان کی بڑھتی ہوئی آبادی پر یہ وادیاں اور پہاڑ تنگ ہونے لگے تو وہ جنوب کی سمت بڑھے اور آہستہ آہستہ موجودہ ایران کے صحراؤں، سطح مرتفع اور مرغزاروں میں سکونت پذیر ہونے لگے۔ پھر وہ پانیوں کی تلاش میں دجلہ و فرات کی وادیوں میں پھیل گئے۔ انہوں نے اس سرزمین میں اپنی سکونت اختیار کرتے ہوئے کاشتکاری اور دستکاری کو اپنایا اور آہستہ آہستہ دیہات، قصبات اور شہروں میں مقیم ہوتے چلے گئے۔ اس طرح

معاشی استحکام پیدا ہوا اور نظم وضبط کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے دجلہ کے کنارے مدائن کی تہذیب کا آغاز ہوا۔ مرکز ایران میں سپاہان (یعنی افواج کا مرکز) آباد ہوا، جو صفاہان اور بعد میں اصفہان کے نام سے مشہور ہوا۔ شہر رے (جہاں اب ماڈرن تہران آباد ہے)، پاسارگاد یا تخت جمشید (جہاں سے کچھ فاصلہ پر فارس کا دارالحکومت شیراز آباد ہے)، طوس (جس کے پاس مشہد شہر ہے) اور تبریز کے مراکز وجود میں آئے۔ تہذیب وتمدن کے اس گہوارے میں زرتشت نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی۔ زرتشت (یا زردشت) کا زمانہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ کے قریب تر تھا اور حضرت ابراہیمؑ بھی بابل کے شہر (جو فارس یا ایران کے مرکزی شہروں کے قریب ترین تھا) سے ہی ہجرت فرما کر مصر سے ہوتے ہوئے سرزمین فلسطین میں آباد ہوئے تھے اور وہاں سے عربستان کے ریگزاروں سے گزرتے ہوئے مکہ میں خانہ کعبہ کو آباد کر کے واپس چلے گئے تھے۔ بعد میں آپؑ کے مکہ کے سفر کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

زرتشت کے مذہب میں سچائی کی تعلیم دی گئی تھی۔ رفتار نیک، پندار نیک اور گفتار نیک (نیک چال چلن، اچھی سوچ اور اچھی بات) پہ مذہب کی بنیاد رکھی گئی۔ اس مذہب میں خدائے بزرگ وبرتر یعنی اھورامزدا کا واضح تصور تھا۔ نیکی کی قوتوں کے خالق ومالک (یعنی خدائے خیر) کا نام "یزدان" تھا اور اسے "ایزد" بھی کہا جاتا تھا۔ بدی کی قوتوں کے سردار کو "اہرمن" یا "ہریمن" کہا جاتا تھا۔ نیکی اور برائی کی قوتوں کو ہمیشہ برسرپیکار سمجھا جاتا تھا اور زرتشتیوں کے لئے حکم تھا کہ وہ یزدان کی پرستش کریں اور اہرمن کے لشکر (یعنی شیاطین) سے نفرت کریں اور ایسی طاغوتی قوتوں سے جنگ لڑیں۔ روشنی کو یزدان کی صفت سمجھا جاتا اور تاریکی یا ظلمت کو برائی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ خدا یعنی یزدان کو نور مجسم اور برائی کو ظلمت مجسم تصور کیا جاتا تھا۔ بت پرستی کسی بھی صورت میں قدیم ایرانی مذہب میں مروج ومتداول نہیں تھی۔

مذہبی کتاب اوستا کے نام سے موجود تھی، جو اس قدر ضخیم تھی کہ ۱۲ ہزار گائیوں کی کھالوں پر تحریر کی گئی تھی اور روایات کے مطابق سکندر اعظم نے ۳۲۹ ق م میں اصطخر کے مقام پر اس کو جلایا تھا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ زرتشتی مذہب میں شروع

شروع میں آتش پرستی یا مظاہر پرستی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ اس میں تحریف کی گئی اور آگ اور سورج کو نور کا منبع اور سرچشمہ سمجھ کر ان کا احترام کیا جانے لگا اور پھر آتش مقدس کی پرستش شروع کردی گئی۔ اس طرح آتش مقدس کے محافظ "مغ" کہلائے اور مغوں کے منظم سلسلوں نے مذہبی پروہتوں کا مقام سنبھال لیا۔ انہی مغوں کو مغس اور پھر مجس کہا گیا اور عربی زبان میں مجوس کی اصطلاح عام ہوئی۔ خدا کو نور قرآن میں بھی کہا گیا ہے : اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اسی طرح ہدایت کو نور کہا گیا ہے۔ شیاطین اور طاغوتی طاقتوں کے ذکر میں بھی مماثلت ملتی ہے۔ اور پھر نیکی اور بدی کی مسلسل جنگ کو اقبال نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی
موسیٰؑ و فرعون و شبیرؓ و یزید
از حیات ایں ہر دو می آید پدید

بعد میں طاغوتی طاقتوں کو خدائے بدی کا لشکر سمجھ لیا گیا اور اہرمن کو خدا کا درجہ دے دیا گیا۔ پھر یہ سمجھ لیا گیا کہ زلزلے اور آفات کا خالق خدائے بدی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد آتش پرستی کے ساتھ ساتھ توحید کی بجائے ثنویت کا تصور مستحکم ہو گیا اور خدائے نیکی اور خدائے بدی (یعنی یزدان و اہرمن) کی خلاقی اور قدرت پہ یقین کیا جانے لگا اور پھر ان دونوں قوتوں کا اتصال ایک ذات یعنی "اھورامزدا" کی شکل میں کیا گیا۔ مرزا غالب نے اس امر کی نفی ان الفاظ میں کی ؎

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا

مختصراً یہ کہ یہ مذہب اس علاقے میں خوب پھلا پھولا اور پھر ایرانی افواج کے ساتھ مفتوح علاقوں کا مذہب بن گیا۔ حتیٰ کہ ٹیکسلا کے مقام پر قبل مسیح کے زمانہ کے کھنڈرات میں آتش کدوں کے آثار دریافت ہوئے ہیں۔ اس مذہب کی دو عیدیں نوروز (بہار کے آغاز پر) اور مہرگان (دسمبر کے آخر میں) بھی تمام مفتوحہ علاقوں میں رائج ہوئیں۔ مدینہ

منورہ میں حضور اکرم ﷺ کی آمد تک یہ عیدیں منائی جاتی رہیں۔ عیسائیت کی ایسٹر کا دن نوروز کے قریب تر ہے اور مہرگان کرسمس کا ہی موقع ہے۔ یہی نوروز بیساکھی اور بسنت کی شکل میں کسی نہ کسی طرح رائج رہی ہے اور برصغیر میں عملاً اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں اسے ختم کرکے عید الفطر کے جشن کو تقدس بخشا گیا۔ اس سے قبل نوروز کو ہی ترجیح دی جاتی رہی ہے اور اس کا ثبوت شعروادب میں ہر جگہ ملتا ہے۔

امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ مذہب بھی تحریف کی زد میں آگیا۔ کچھ کہا تو نہیں جاسکتا مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے یہ مذہب الہامی مذہب ہی ہو مگر تحریف کی وجہ سے اس قدر بدل گیا ہو کہ اس کی صورت بگڑ گئی ہو۔

ایک مستحکم و مضبوط معیشت' ایک نسبتاً منظم مذہب اور ایک مہذب تمدن نے آہستہ آہستہ ایک بادشاہت کی صورت اختیار کرلی' مگر یہ بادشاہت کسی اصول اور آئین پر ہی قائم تھی۔ اس میں بادشاہت کے تحفظ کے کے لئے شاہی خاندان کو تقدس کا درجہ دیا گیا اور شہنشاہ سے وفاداری کو اس ملک کے عوام کے رگ و ریشے میں سمو دیا گیا اور پھر اس کے تحفظ کے لئے ایک فوج کی بنیاد رکھی گئی۔ پھر ایک مربوط و منظم مواصلات کا نظام وجود میں آیا۔ شعروادب اور آئین جہانبانی وجود میں آئے۔ اس طرح وہ بادشاہت وجود میں آئی جس کی مثال پہلے زمانے میں کبھی نہیں ملی تھی۔ ہخامنشی دور کی تاریخ کسی حد تک وضاحت کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے۔ اس عہد کا سب سے مشہور بادشاہ سائرس یا کوروش اعظم گزرا ہے۔ اس بادشاہ نے عدل و انصاف پہ مبنی ایک نظام قائم کیا اور اپنی سلطنت کو مشرق و مغرب تک وسعت دی۔ اس بادشاہ کا ذکر انتہائی احترام کے ساتھ بائبل یعنی انجیل میں آیا ہے۔

یہ وہی زمانہ تھا جب یہودیوں کو فلسطین میں شکست دینے کے بعد بیت المقدس کو تباہ و برباد کرتے ہوئے بابل کے بادشاہ بخت نصر نے غلام بنا کر بابل میں مقید کر رکھا تھا۔ کوروش اعظم نے بابل کو زیر تصرف لاتے ہوئے یہودیوں کو ۵۳۶ ق م میں آزاد کردیا تھا' اور پھر اپنے خرچ پر بیت المقدس اور اس کے تمام تر معبدوں کو از سر نو تعمیر کروایا تھا۔ اپنے زیر انتظام یہودی سلطنت کا احیاء کیا تھا اور پھر عرب کے بیشتر علاقوں پر قبضہ کرتے ہوئے بحیرۂ

روم تک رسائی حاصل کرلی تھی، جہاں پر سورج کو اس نے سمندر میں ڈوبتے ہوئے دیکھا تھا۔ راستے میں اسے وحشی قوموں سے پالا بھی پڑا تھا۔ پرانی تصاویر میں کوروش کے سر پر جو آہنی خود نظر آتا ہے، اس پر دو سینگ بنے ہوئے ہیں۔ عدل و انصاف اور سچائی کے اس پیکر کو تمام مورخین نے اچھے الفاظ میں یاد کیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا مودودی نے سورۂ کہف کی تفسیر لکھتے ہوئے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہی ہے وہ ذوالقرنین (یعنی دو سینگوں والا) ہے جس کی تعریف قرآن پاک میں کی گئی ہے کیونکہ قرآن میں بیان کردہ صفات سے یہی بادشاہ متصف نظر آتا ہے اور اس کے نام سے یہود و نصاریٰ پوری طرح باخبر تھے۔

کوروش کے بعد اس سلطنت کے بڑے بڑے بادشاہوں میں داریوش اعظم یا دارا کا ذکر ملتا ہے جس نے یورپ کی وادیوں میں سے گزرتے ہوئے اس وقت کی سب سے بڑی فوج کے ہمراہ یونان میں ایتھنز تک فوج کشی کی تھی اور اس کی یلغار سے یورپ میں ارتعاش پیدا ہوگیا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ سکندر اعظم کی بڑھتی ہوئی افواج نے شیراز کے قریب نقش رستم کے مقام پر دارا کو شکست سے دوچار کرکے اس سلطنت کا خاتمہ کر دیا تھا۔

اس دور کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں :

ا) ایک عظیم تہذیب و تمدن کا ظہور

ب) مستحکم بادشاہت کا قیام

ج) آئین جہانبانی و جہانداری کی تشکیل اور قانون سازی

د) کورش اعظم اور داریوش جیسے اہم تاریخی حکمران

ر) زرتشتی مذہب، مذہبی کتاب اور منظم مذہبی رہنمائی کا وسیع نظام

س) بادشاہت میں وسعت کے باعث عرب و فلسطین اور یورپ سے آگاہی

ص) مربوط جنگی نظام اور مسلح افواج کا قیام

ط) زبان، ادب، شعر، فلسفہ اور فنون لطیفہ

ع) بادشاہت کے مرکزی نقطہ کے طور پر شہنشاہ کی مقدس شخصیت کا تسلیم کیا جانا۔

خاندانی اور موروثی بادشاہت کا قیام' خاندان کی وفاداری اور نظام وراثت
ف) اشرافیہ کا طبقہ وارانہ نظام اور مختلف پیشوں کا آغاز
ک) زبان و نسل اور بادشاہت سے وفاداری کی بنیاد پر وطن کا تصور

مندرجہ بالا نکات اس لئے اہمیت کے حامل ہیں کہ آگے چل کر انہی کے اثرات کی روشنی میں ہمیں ایرانی مزاج کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ مثلاً ہمیں عظیم ایرانی تہذیب و تمدن کی برتری کی بنیاد پر عرب و عجم کی چپقلش ایران کے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی کسی نہ کسی شکل میں اہل عجم کے احساس برتری میں نظر آتی ہے۔ مستحکم بادشاہت' شاہ کی ذات کا تقدس اور اس کے لئے وفاداری کا جذبہ بعد کے ہر ملوکانہ نظام میں نہ صرف نظر آتا ہے بلکہ ایران میں مرکزی اسلامی سلطنت سے باہر رہ کر اپنی آزادانہ بادشاہت کا نہ صرف جذبہ نظر آتا ہے بلکہ اس کی وسعت کی خواہش بھی موجزن دکھائی دیتی ہے۔ اسی طرح لسانی اور وطنی تصورات بھی نسبتاً مستحکم نظر آتے ہیں۔ زرتشتی نظریات' ثنویت اور منظم مذہبی قیادت کے اثرات بھی بعد کے تمام ازمنہ میں دیکھے جاسکتے ہیں اور جنگی یا دفاعی تزویراتی نظام کا تصور ہمیشہ نظر آتا ہے۔ بعد میں ایک وقت آتا ہے جب ہادی برحق رسول اللہ ﷺ بھی جنگ خندق سے قبل حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مدینہ منورہ کے دفاع کے لئے قدیم ایرانی تزویری نظام کی روشنی میں مشورہ طلب فرماتے ہیں۔

اسی طرح تفسیر قرآن کے لئے بھی ایران کی اس قدیم تاریخ کا مطالعہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے' خصوصاً ذوالقرنین کے ذکر میں اور سورۂ روم کو سمجھنے میں۔ ایک خاندان کے افراد سے موروثی وفاداری سلطنت سے نکل کر مذہبی حدود میں آجاتی ہے اور بعد کے زمانوں میں امامت کے تصور کو سمجھنے میں اس سے مدد ملتی ہے۔ اسی طرح زبان و شعر و ادب میں ایک خوبصورت عجمی رنگ قائم و دائم رہتا ہے۔ اور جب یہی ادب اسلامی صورت اختیار کرلیتا ہے تو پھر رومی و سعدی و عطار و سنائی و اقبال کی شعری رفعت فلسفہ و فرہنگ اسلام کو سمجھنے میں مددگار ہو جاتی ہے۔

ایران کو عجم اس لئے کہا جاتا ہے کہ عرب قبائل ہر چند کہ زیادہ تر متحرک اور خانہ بدوش تھے اور ان میں تہذیب و تمدن کا وہ رنگ دکھائی نہیں دیتا تھا جو ایران کی وادیوں

میں نظر آتا تھا مگر ان میں کئی شخصی خوبیاں رچی بسی تھیں۔ امتداد زمانہ سے دنیا کی ایک مربوط اور فصیح و بلیغ ترین زبان ان کے ہاں موجود تھی، جسے بعد کے فارسی شعراء نے بھی دبے لفظوں میں برتر ہی تسلیم کیا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

فارسی گو گرچہ تازی خوشتر است　　عشق را خود صد زبانِ دیگر است
بوی آں دلبر چوں پرّاں می شود　　ایں زبانہا جملہ حیراں می شود

(فارسی میں بات کرو اگرچہ عربی اس سے زیادہ اچھی ہے۔ عشق کی امنگوں کے اظہار کے لئے سینکڑوں اور زبانیں بھی ہیں۔ جب خدا یا محبوب حقیقی کی خوشبو پھیل جاتی ہے یہ تمام زبانیں گنگ ہو کے رہ جاتی ہیں)

عرب کی زبان، قبائلی خصوصیات کا تحفظ، تحرک، مہمان نوازی، علم الرجال اور خاندانی عصبیت نے ہرچند ایک مربوط معاشرہ کا قیام عملاً ناممکن بنا دیا تھا مگر وہ ایک زبان بولتے ہوئے بھی ایک ڈھیلے ڈھالے وفاق (یا کنفیڈریشن) کی صورت میں زندگی گزار رہے تھے۔ آپس کا جدل و قتال بھی ان کے ہاں عام تھا اور وہ کسی بھی خاص سلطنت کا حصہ نہیں تھے، لیکن پھر بھی کبھی کبھار اہل ایران ان کے علاقوں میں آن وارد ہوتے تھے اور ان پر سلطنت کا نظام اور آئین مسلط کرنے کی کوشش کرتے تھے، مگر آزاد منش عرب پھر بغاوت کر دیتے تھے۔ اس طرح کوئی بھی مستحکم سلطنت عرب میں نہ تو قائم ہو سکی اور نہ ہی ان کی کنفیڈریشن ایک فیڈریشن میں ڈھل سکی۔ ایرانی عربوں کو تازی کہتے تھے اور تازی کا لفظ تاختن یعنی لوٹنے سے مشتق ہے۔ اس طرح عربوں کو لٹیرے سمجھا جاتا تھا۔ عرب بھی اہل ایران کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے اور یہ کشمکش جاری رہتی تھی۔ عرب جنہیں اپنی زبان اور شعر پر فخر تھا وہ ایرانیوں کی زبان سمجھ نہ پانے کے باعث انہیں عجمی (گونگے) کہتے تھے۔ شبلی نعمانی کی ضخیم کتاب (جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے) بھی "شعر العجم" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ فارسی شعر و ادب کی ایک مبسوط تاریخ ہے۔ لسانی اختلاف کے باعث عربوں کی نظر میں یہ لوگ عجمی کہلائے اور انہوں نے عجم کے لفظ کو ایک حد تک اپنے لئے قبول کرنے میں عار محسوس نہیں کی۔ آخری حج کے موقع پر آنحضور ﷺ نے خصوصاً عرب و عجم کے امتیازات کے خاتمے کا اعلان فرمایا تھا اور یہ برتری ختم کر دی تھی۔

احساس برتری اور احساس کمتری اس خطبے کے بعد مسلمانوں میں ممنوع قرار پایا۔

ایران کے مرکزی علاقے یعنی شیراز و اصفہان کا خطہ اور ملحقہ سطح مرتفع "فارس" یا "پارس" (جسے پرشیا Persia بھی کہا جاتا ہے) اپنی ثقافت' زبان اور سیاسی اثر و رسوخ کے باعث سب سے اہم خطہ تھا اور اسی کی زبان یعنی فارسی (Persian) تمام ایرانی مقبوضات یا زیر اثر لوگوں میں مروج تھی۔ یہ دراصل ہندو اروپائی زبانوں کی ایک شاخ تھی جو قدیم پہلوی (آریائی زبان) سے وجود میں آئی تھی اور قدیم سنسکرت سے قریب تر تھی۔ اس کا اپنا قدیم رسم الخط بھی تھا اور سرکاری قوانین اور مذہبی تحریروں میں استعمال ہوتی تھی۔ ایران کے دوسرے صوبے خراسان' گیلان' آذر آباد گان (جس کا معرب آذر بائیجان ہے اور یہ اصطلاح زیادہ معادل ہو چکی ہے)' خوزستان' سیستان' بلوچستان' تاجکستان اور مازندران تھے۔ خراسان کا خطہ افغان علاقوں ہرات و غرنی' بلخ و مزار شریف' بدخشاں' زنجبانگ کے ختاو ختن اور مالاکنڈ ڈویژن کے علاوہ موجودہ ایران کے خراسان پر مشتمل تھا۔ یہ ایران کا مشرقی صوبہ تھا اور سورج کے طلوع ہونے کی سرزمین سمجھا جاتا تھا۔ اس علاقہ سے مولانا روم' حکیم سنائی' فردوسی' طوسی' امام مسلم' جامی' عطار اور عمر خیام جیسی ہستیاں پیدا ہوئی تھیں۔ یہیں پر امام رازی اور غزالی بھی مدفون ہیں۔ یہی خطہ البیرونی اور امام ابو حامد غزالی کا مولد بھی ہے۔ یہ خطہ فکری تحریکوں اور فلسفہ و الہیات کا مرکز بھی رہا ہے۔ اس کے ایک علاقہ پر بدھ مذہب کے پرستار چھائے رہے ہیں۔ بعد میں عباسی خلافت کے خلاف قیام و بغاوت میں ابو مسلم خراسانی کا نام آتا ہے۔ وہ بھی اسی خطے کا فرزند تھا۔ مامون الرشید عباسی سے ٹکر لیتے ہوئے اثنا عشری فرقہ کے آٹھویں امام حضرت امام علی رضا بھی اسی علاقے میں آ گئے تھے اور طوس کے قریب شہید ہوئے تھے۔ وہ جگہ اب مشہد کہلاتی ہے اور ایرانی خراسان کا مرکزی شہر ہے۔ خراسان کے وہ خطے جو افغانستان' تاجکستان اور چین میں شامل ہیں ان کے لوگوں کی بھی اپنی پہچان ہے۔ پاکستان میں ریاست سوات وہ آخری خطہ تھا جہاں ۱۹۶۸ء تک ریاست کے خاتمے تک فارسی سرکاری زبان تھی۔

فارس کی سرزمین کا بھی اپنا مزاج ہے۔ تہذیب و تمدن کے گہوارے کی حیثیت سے

اپنی نزاکت' خوش بیانی اور شعروادب میں اس کا اپنا مقام ہے۔ جہاں ہمیں حافظ شیرازی جیسے غزل گو نظر آتے ہیں وہاں سعدی شیرازی جیسے معلم اخلاق و کردار بھی نظر آتے ہیں۔ جہاں کے ہزاروں سال قدیم کھنڈرات ہمیں ہرسی پولیس (یا پاسارگاد) کے تخت جمشید اور اور داریوش کے دخمہ یعنی نقش رستم کی صورت میں نظر آتے ہیں وہاں ہمیں تہذیب و تمدن خود بولتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ بقول عرفانی ؎

شعر و نغمہ می تراود ہر زماں
از فرازِ عرش بر شیرازیاں

(ہر لحہ عرش کی بلندیوں سے شعر اور نغمے شیراز کے لوگوں پہ بارش کے قطرات کی طرح ٹپکتے رہتے ہیں۔)

علاوہ بریں اس سرزمین کے لوگوں میں ہمیشہ سے سلطنت کی وسعت کا جذبہ رہا ہے اور اپنے قدیم تمدن پہ فخر و مباہات کے علاوہ اپنی روایات سے وابستگی ان کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ تحقیق و تفحص کا یہ عالم ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر میرا کوئی قول چاند کی بلندیوں پہ بھی پہنچ جائے تو اہل فارس میں سے ایک شخص اسے وہاں سے بھی ڈھونڈ لائے گا۔ فارس کا خطہ زمانہ قدیم میں دجلہ کے کناروں تک پھیلا ہوا تھا۔ حیرہ کے قدیم قصبہ کے قریب کوفہ کی جو بستی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں افواج کے قیام کے لئے بنائی گئی تھی وہ بھی فارس کے آخری کونہ میں تھی۔ یہ جگہ بعد میں فقہ کی تدوین کا مرکز بن گئی۔ ایران کے آئین و قانون سے دلچسپی کا ذکر ہو چکا ہے اس لئے قانون سازی کے لئے یہ جگہ عرب و فارس کا سنگم بن گئی اور امام ابو حنیفہ جیسے عظیم ایرانی فرزند نے اسے نئی جہت عطا کی۔

سکندر اعظم کا حملہ اور ہخامنشی سلطنت کا انقراض

ہخامنشی دور میں ایرانی بادشاہت عراق' شام' فلسطین' ایشیائے کوچک' عرب کے کچھ دیگر حصوں' قفقاز' وسطی ایشیا' موجودہ پاکستان' کشمیر اور شمالی ہندوستان تک پھیل چکی تھی۔ بحیرۂ روم کے پانیوں سے لے کر کیسپین کی لہروں تک' خلیج فارس سے بحیرۂ احمر

تک اور وادی سندھ تک ایک وسیع ایرانی بادشاہت کے پھریرے اڑ رہے تھے۔ اسی دوران آریاؤں کے تازہ لشکر ہامیر کی چوٹیوں سے اتر کر درۂ خیبر کے راستے سرزمین پاک و ہند میں داخل ہو رہے تھے اور ان کا رخ شمالی اور وسطی ہند کی جانب تھا۔ یہ لوگ رفتہ رفتہ مقامی آبادی کو پامال کرتے ہوئے یا جنوب اور مشرق کی سمت دھکیلتے ہوئے آباد ہوتے چلے گئے۔ آریائی باشندوں نے یہاں پر برھمنیت کا مقدس لبادہ اوڑھ لیا۔ وہ قدیم فارسی سے ملتی جلتی زبان سنسکرت' مظاہر پرستی' خاص قسم کے ساز اور نسلی تفوق کی خصوصیات یہاں پر لائے تھے۔ اپنی نسل کو مقامی امتزاج سے بچانے کے لئے انہوں نے خود کو ازدواجی' سماجی اور تمدنی اعتبار سے بالکل الگ تھلگ کئے رکھا۔

وسیع ایرانی سلطنت کی وسعت اس کے لئے بجائے خود ایک مسئلہ بن گئی۔ اہل فارس کے لشکر ملک کے طول و عرض میں بکھر کر رہ گئے۔ مرکزیت کا استحکام کمزور ہوتا گیا۔ اسی دوران یونان کی ریاست مقدونیہ کا جواں سال حکمران سکندر اعظم اس سلطنت پہ چڑھ دوڑا اور پھر آناً فاناً ۳۳۹ق م سے ۳۲۷ق م تک اس وسیع مملکت پر قابض ہو گیا۔ فارس کے مرکز میں دارایوش کی شکست وہ عبرت کا نشان تھی جسے ایرانی قوم فراموش کرنے کی کوشش میں صدیوں تک مگن رہی' بقول حافظ شیرازی ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

(ہم نے سکندر اور دارا کی کہانی نہیں پڑھی ہے۔ ہم سے محبت اور وفاداری کی حکایت کے علاوہ کچھ نہ پوچھئے۔)

تھوڑے ہی عرصہ میں ایک عظیم قوت کا سرنگوں ہو جانا ایک عظیم المیہ تھا جس سے مشرق اس زمانے میں دوچار ہوا۔ سکندر اپنی واپسی پہ بابل میں جوانی کے عالم میں عالم بالا کا راہی ہوا اور اس کے لشکری مفتوحہ علاقوں پر اپنی اپنی حکومت قائم کر کے بیٹھ گئے اور مختلف صوبے یونانی حکمرانوں (سلوکیوں) میں بٹ کے رہ گئے' اور ایران کی مرکزیت کا نام و نشان مٹ گیا۔

ایک اہم نکتہ جو یہاں قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ یونانی عقائد' توہمات اور دیومالائی

مذہب اس خطے میں کبھی بھی رائج نہ ہو سکا۔ زرتشتی مذہب اس وجہ سے یہاں قائم ودائم رہا کہ مذہبی پروہتوں کا مربوط نظام جو پہلے سے موجود تھا وہ قائم ودائم رہا۔ یہ نظام اس قدر منظم اور درجہ بدرجہ قائم تھا کہ عوام سے لے کر اعلیٰ مذہبی قیادت تک ہر ایک زنجیر کی طرح آپس میں منسلک تھا۔ ہرچند کہ مذہب اور حکومت کے ادارے جدا جدا ہو گئے تھے مگر عوام الناس نے اپنی مذہبی وفاداری قائم رکھی۔ اسی مذہبی نظام نے وطنیت اور قومیت کے ایرانی اثرات کو زائل نہیں ہونے دیا۔ ان کی زبان' ثقافت' تمدن اور معاشرتی حالات یونانی اثرات سے محفوظ رہے۔

اس پس منظر میں غیر ملکی تسلط سے آزادی' مرکزیت کی آرزو اور اپنی بادشاہت کا قیام نسل در نسل ایرانیوں کے دلوں میں موجزن رہا۔ غلامی کے اس دور میں ایرانیت کا شعور کمزور ہونے کی بجائے اور مضبوط ہوتا چلا گیا۔ قدیم شاہی خاندان کے افراد زیر زمین تو چلے گئے مگر ان سے وفاداریاں عوام کے دلوں سے محو نہ ہو سکیں۔ ایران کے اس طرح مٹ جانے کی طرف علامہ اقبال نے اشارہ کیا ہے ؎

آ دبایا مہر ایراں کو اجل کی شام نے
عظمتِ یونان و روما لوٹ لی ایام نے

لیکن جس طرح ایرانیت کا جذبہ زیر زمین زندہ رہا اس کی جانب اس طرح اشارہ فرمایا ؎

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے
نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے

یہ وہی زمانہ تھا جب ہندوستان کا برہمن بدھ مذہب کے افکار سے برسرپیکار تھا اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب بدھ مت کے اثرات اس قدر غالب آچکے تھے کہ ہندو مت کا خاتمہ ہوا چاہتا تھا مگر برہمن کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور بدھ مذہب ہندوستان سے نکال باہر کیا گیا۔ اس مذہب کے آثار خراسان میں گہرے ہو گئے اور بلخ نوبہار کا بدھ مذہب کا معبد طلوع اسلام کے بعد تک قائم رہا۔ یہیں کے پروہت برامکہ کہلاتے تھے اور ان کے گہرے اثرات ہارون الرشید عباسی کے عہد حکومت میں مرتب ہوئے۔ بدھ مت کے افکار نے خراسان کے خطے میں ترک دنیا اور رہبانیت کو فروغ بخشا۔ یہی اثرات بعد

میں مسلمانوں کے تصوف میں بھی پائے گئے۔ برامکہ کے اقتدار سے عباسی خلافت میں گہرے عجمی غیر اسلامی عقائد اسلام میں در آئے۔ کچھ مخلص مسلمان دانشوروں کی کوششوں سے برامکہ اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچے۔ الغرض بدھ مت خراسان اور وسطی ایشیاء کے راستے چین اور تبت میں وارد ہوا' اور ہندوستان کی سرزمین کے گرد اگرد چین' مشرق بعید اور ہندوستان کے جنوب میں سری لنکا تک جا پہنچا مگر اپنے مولد و منشاء یعنی برصغیر سے ختم ہو گیا۔ خراسان کے اثرات کے باعث وادی سوات کے کھنڈرات میں آج بھی بدھ مت کے آثار دیکھے جاسکتے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ پاک و ہند کے خطے سے بدھ مذہب مٹ گیا مگر مالاکنڈ ڈویژن کے علاقہ میں یہ مذہب کافی عرصہ قائم ودائم رہا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب اہل ایران کے ہاتھوں قائم شدہ فلسطینی یہودی ریاست رومیوں کے تطاول کا شکار ہو چکی تھی۔ رومیوں نے بحیرۂ روم کے ارد گرد کے تمام علاقوں پر اپنا اقتدار قائم کرلیا تھا اور ابراہیمی ادیان تحریف کا شکار ہو کر' رومیوں کے دباؤ میں آکر اور علماء بنی اسرائیل کی خود غرضی کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب سرزمین فلسطین سے حضرت عیسیٰؑ کا ظہور ہوا۔ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کو سچائی اور نیکی کی تلقین کرتے تھے۔ آپ بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کو گلے سے ملاتے رہے اور رومیوں کو خبردار کرتے رہے کہ ظلم وستم اور شرک وبت پرستی ان کی تباہی کا باعث بننے والی ہے۔ بہت کم لوگ ان کی تبلیغ سے متاثر ہوئے اور آپ حق بات کہتے ہوئے مطعون زمانہ ٹھہرے اور حق کہنے کی پاداش میں ان کے لئے صلیب تیار کرلی گئی۔ اسی کشمکش میں آپ کا مشن پایہ تکمیل تک پہنچ گیا اور عیسائیت کا خدائی پیغام ایک صدی کے لئے دب کر رہ گیا۔ اس دوران عیسائی راہبوں اور علماء نے دین مبین کے اصولوں کو سیکھنا شروع کردیا اور غار و کوہ میں چھپ کر اپنی تربیت کا اہتمام کیا اور انہی غاروں اور تنگ وادیوں سے نکل کر یہ لوگ دنیا کے طول و عرض میں پھیل گئے اور عیسائیت کی تبلیغ کے مشن کے لئے خود کو وقف کرلیا۔ مولانا روم نے فرمایا ہے ؎

مصلحت در دینِ عیسیٰ ؑ غار و کوہ
مصلحت در دینِ ما جنگ و شکوہ

(عیسوی دین کی مصلحت غاروں اور پہاڑوں کی خلوت گزینی تھی لیکن ہمارے دین اسلام کی مصلحت جنگیں لڑ کر شان و شوکت حاصل کرنا ہے)

قرائن سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ایران کے صفحہ ہستی سے نابود ہونے کے باعث دوسری تہذیبوں، مذاہب اور فلسفہ ہائے اخلاق کو پنپنے کا موقع مل گیا اور انسانیت کی تعمیر و ترقی کے لئے اس زمانے میں جو فکری احتیاج تھی اس کی تکمیل ہو گئی۔ آنے والے ایام میں عیسائیت اور بدھ مت کے اثرات دنیا کی غالب آبادی پر مرتب ہوتے رہے۔

آمدم بر سر مطلب! سکندر اعظم کی وفات سے سو برس بعد ایران کے علاقوں میں یونانیوں (سلوکی حکمرانوں) کے اثرات کم ہوتے گئے اور آہستہ آہستہ ایک خانہ بدوش ایرانی قوم جس کا تعلق کیسپین سمندر کے کناروں پہ آباد ستھین قوم سے تھا۔ یہ لوگ روس اور چین کی سرحدوں کے قریب گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ ماساگیتے انہی کے ایک قبیلے کا نام تھا۔ یونانی ان لوگوں کو ساکا کہتے تھے۔ ہرچند کہ وہ ہخامنشی ایرانیوں کی نسل سے تھے مگر وہ اصلاً خانہ بدوش ہی تھے۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ صوبہ فارسی (پرسو، پہلو) میں آباد ہو گئے اور یہ لوگ پہلوی کہلانے لگے۔ چین کے صوبہ سنکیانگ سے ترکی النسل قبائل (جنہیں اشکانی کہا جاتا ہے) بھی آن وارد ہوئے اور ایران پر ترکی اثرات مرتب ہونے لگے۔ اسی (۸۰) برس تک خانہ بدوش ستھین قبائل سلوکیوں (یونانیوں) سے آزادی حاصل کرنے میں کوشاں رہے۔ یہی پہلوی (پارتھین) دوسری صدی قبل مسیح میں متری دات اول کی قیادت میں فارس اور اس کے نواحی خطوں باختر، بابل، سوسا، میڈیا اور ساحلی علاقوں کو اکٹھا کر کے ایک سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بعد میں اسی صدی میں متری دات دوم نے آرمینیا سے سیستان اور خراسان تک حکومت قائم کر لی اور برصغیر کے کچھ علاقے بھی ہتھیا لئے۔ ان لوگوں کے چین سے قریبی روابط استوار ہوئے اور شاہراہ ریشم تعمیر ہوئی۔ تجارتی قافلے چین سے اسی شاہراہ پر یورپ آنے

(باقی صفحہ ۶۷)

امت مسلمہ کی عمر(۲)

اور

مستقبل قریب میں مہدی کے ظہور کا امکان

امین محمد جمال الدین
شعبہ دعوت و ثقافت، دعوت اسلامی کالج، جامعہ الازہر

کی معرکہ الاراء کتاب "عمر امہ الاسلام وقرب ظہور المہدی" کا

دوسرا باب

37/16/36

مترجم : پروفیسر خورشید عالم، قرآن کالج لاہور

[library stamp]

فصل اول

تشریحات

امت مسلمہ کی عمر کا حساب محمد ﷺ کی بعثت سے لے کر قیام قیامت تک لگایا جائے گا۔ اگر وقت کا تعین کیا جائے تو قیامت اس وقت آئے گی جب یمن کی طرف سے نرم ہوا چلے گی اور ہر مومن کی جان قبض کر لے گی۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰؑ بن مریم کی وفات کے بعد ظہور پذیر ہو گا۔ روئے ہستی پر کوئی مومن نہیں بچے گا۔ چنانچہ امت مسلمہ کی عمر ختم ہو جائے گی۔ روئے زمین پر صرف بدکار لوگ رہ جائیں گے اور ان ہی پر قیامت آئے گی۔

ہر امت کی عمر اس کے نبی کی بعثت سے شروع ہو کر بعد میں آنے والے نبی کی بعثت تک چلے گی۔ جو بھی بعد میں آنے والے نبی پر ایمان لائے گا وہ اس کی امت میں شمار ہو گا اور اسے دہرا بدلہ ملے گا[1] اور جو اس نبی کا انکار کرے گا اور کوتاہی کا مرتکب ہو گا اس

کی حیثیت اس آدمی کی طرح ہوگی جو سب نبیوں کا منکر ہوتا ہے۔ پس یہودیوں کی عمر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے لے کر حضرت عیسیٰؑ کی بعثت تک شمار ہوگی اور عیسائیوں کی عمر حضرت عیسیٰؑ کی بعثت سے لے کر محمد ﷺ کی بعثت تک چلے گی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کیا شرع حنیف میں کوئی ایسی دلیل ہے جو ان امتوں کی عمر کا تعین کر سکے؟ جواب ہے ہاں! قبل اس کے کہ ہم اس جواب کی تفصیل بیان کریں جو ان امتوں کی متعین عمر اور اس کے بدیہی نتیجہ کے طور پر علامات کبریٰ کی طرف رہنمائی کرے، ہم کچھ باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ہم جلدی سے دنیوی زندگی کا پہیہ روک کر سارے عالم کو برباد کر دیں۔ بالکل نہیں! ہم نے تو اپنے دین سے یہ سیکھ رکھا ہے کہ ہم دنیا کے لئے ایسے کوشاں رہیں گویا کہ ہمیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے اور یہ کہ جب تک دنیا کی زندگی کا پہیہ از خود نہ رکے ہم بھی نہ رکیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے : اگر قیامت آنے کے وقت کسی کے ہاتھ میں درخت کا قلم ہو اور اسے کھڑا ہو کر اسے لگانے کی مہلت ملے تو وہ ضرور لگا دے {۲}۔ عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے : اپنی دنیا کے لئے یوں کام کرو گویا کہ تمہیں ہمیشہ زندہ رہنا ہے اور اپنی آخرت کے لئے یوں کام کرو گویا کہ تم کل ہی مرنے والے ہو {۳}۔ قرب قیامت کے موضوع سے ہماری مراد یہ ہرگز نہیں کہ لوگ ہاتھ توڑ کر بیٹھ جائیں اور کام کاج، طلب علم اور دعوت الی اللہ کو چھوڑ دیں بلکہ اس کے برعکس ہماری مراد یہ ہے کہ لوگ آخری زمانے کے فتنوں اور جنگوں کے لئے پوری طرح لیس ہو کر مستعد ہو جائیں اور اپنے ساتھ علم، عمل اور تقویٰ کی زاد راہ لیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ مقصد لوگوں کو خوف زدہ کرنا نہیں بلکہ اس کا مقصد غفلت شعاروں کو آگاہ کرنا اور سونے والوں کو گہری نیند سے جگانا ہے، تاکہ وہ تیار ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ جلد آنے والی یقینی جنگیں ناگہانی طور پر ان کو آلیں۔ یہ جنگیں تو ان کے آنگن میں داخل ہو چکی ہیں، ان پر دھاوا بول چکی ہیں اور ان کے گھر میں نازل ہو چکی ہیں اور وہ غفلت میں پڑے پہلو تہی کر رہے ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہم اس کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی بیان نہیں کریں گے جو ظن پر

مبنی ہو یا اٹکل پچو ہو۔ کیونکہ حق بیان کرنے میں ظن بے فائدہ ہوتا ہے (ظن حق کا بدل نہیں ہو سکتا)۔ ہم نے کتاب و سنت کی طرف رجوع کیا ہے' پھر ائمہ کے ان اقوال کو پیش کیا ہے جو کتاب و سنت سے اخذ کئے گئے ہیں' پھر ہم نے ان اہل کتاب کی باتوں کی طرف کان دھرا ہے جن کی روایت بیان کرنے کی ہمیں اجازت ہے۔

چوتھی بات بہت ضروری ہے اور ہم اسے زور دے کر کہتے ہیں کہ ہم امت مسلمہ کی عمر کی تاریخ اور سن کا تعین نہیں کر سکتے اور کسی کے بس میں نہیں کہ وہ ایسا کر سکے۔ ہم نے تو صحیح آثار پر اعتماد کرتے ہوئے اندازے لگائے ہیں اور اس سلسلہ میں ان باتوں کو بھی پیش نظر رکھا ہے جن کی تصدیق بڑے بڑے علماء نے ان آثار کی شرح کرتے وقت کی ہے۔ پھر ہم نے تو خونریز جنگوں کے آغاز کی بات کی ہے' اس دنیا کی عمر کب ختم ہوگی' یہ علم تو اللہ کے پاس ہے' اسے نہ اس کا رسولؐ جانتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ۔

یہ بات طے کرنے کے بعد اب ہم امتوں کی عمر کے بارے میں کھل کر بات کریں گے۔ اللہ حق اور صواب کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

دوسری فصل

امتوں کی عمر کے بارے میں احادیث اور ان کے آسان معانی

ا۔ احادیث

ا۔ صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ کی سند سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ گزشتہ امتوں کے مقابلے میں تمہاری زندگی کا عرصہ اتنا ہے جتنا نماز عصر سے لے کر غروب آفتاب تک۔ اہل تورات کو تورات دی گئی انہوں نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ عین دوپہر کے وقت وہ عاجز آ گئے۔ ان کو ایک ایک قیراط (دینار کا ۱/۲۴ کسی چیز کا چوبیسواں حصہ) دیا گیا۔ پھر اہل انجیل کو انجیل دی

گئی۔ انہوں نے نماز عصر تک اس پر عمل کیا پھر عاجز آ گئے۔ انہیں بھی ایک ایک قیراط عطا کیا گیا۔ پھر ہمیں قرآن عطا ہوا تو ہم نے غروب آفتاب تک اس پر عمل کیا۔ ہمیں دو قیراط ملے۔ اہل کتاب کہیں گے "اے ہمارے رب ان کو تو نے دو دو قیراط دیئے مگر ہمیں ایک ایک' حالانکہ ہم نے ان سے بڑھ کر عمل کیا ہے۔ راوی کا قول ہے: اللہ عزوجل کہے گا کہ کیا میں نے تمہاری اجرت میں تم پر کوئی ظلم کیا ہے؟ وہ کہیں گے کہ نہیں۔ اللہ فرمائے گا یہ تو میرا فضل ہے میں اسے جسے چاہوں عنایت کرتا ہوں"۔ {۴}

۲۔ بخاری نے صحیح میں ابو موسیٰؓ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس آدمی کی سی ہے جس نے کچھ لوگوں کو اجرت پر اس لئے رکھا کہ وہ رات تک اس کا کام کریں۔ انہوں نے نصف النہار (دوپہر) تک کام کیا' پھر کہنے لگے: ہمیں تمہاری اجرت کی ضرورت نہیں۔ اس نے کچھ اور لوگ اجرت پر رکھ لئے۔ اس نے کہا: دن کے بقیہ حصہ تک کام کرو' جو مزدوری مقرر ہوئی ہے وہ آپ کو مل جائے گی۔ وہ کام کرتے رہے یہاں تک عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تو انہوں نے کہا: جو کام ہم نے کیا اس کی اجرت ہم نے چھوڑ دی۔ پھر اس نے کچھ اور لوگوں کو اجرت پر رکھا۔ دن کا بقیہ حصہ انہوں نے کام کیا' یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا تو انہوں نے دونوں پہلے گروہوں کی پوری اجرت لے لی۔ {۵}

ان دو حدیثوں میں نبی ﷺ نے قریبی مدت کو مثالیں دے کر واضح کیا ہے اور ہمیں بتایا ہے کہ اسی دنیوی زندگی میں امت مسلمہ کی پہلے گزرنے والی یہود و نصاریٰ کی امتوں کے مقابلہ میں کتنی عمر ہو گی۔ مسلمانوں کی مدت زمانی وہ وقفہ ہے جو نماز عصر سے لے کر غروب آفتاب تک کا ہے تو یہودیوں کی مدت وہ وقفہ ہے جو فجر سے لے کر نماز ظہر تک کا ہے اور نصاریٰ کی زمانی مدت وہ وقفہ ہے جو نماز ظہر سے نماز عصر تک پھیلا ہوا ہے۔ یعنی مسلمانوں اور عیسائیوں کی مدت مل کر یہودیوں کی مدت کے برابر ہوتی ہے کیونکہ یہودیوں نے آدھے دن تک کام کیا اور مسلمانوں اور عیسائیوں نے دن کے باقی نصف میں

کام کیا۔ یہ حدیث یہ بھی بتلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبین محمد ﷺ کی آخری امت کو فضیلت بخشی ہے، مگر سابقہ امتوں کی اجرت میں نہ تو کمی کی ہے اور نہ ان پر ظلم کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے ظلم اور عیب سے پاک ہے۔ اس نے انہیں بغیر کسی کمی کے پوری اجرت دی ہے۔

حدیث میں جس قیراط کا ذکر ہے اس سے مراد جنت میں اس کا حصہ اور ملکیت ہے۔ جنت میں سب سے کم درجہ اور ملکیت والے شخص کو بھی اس کی خواہش سے دس گنا بڑھ کر اجر ملے گا۔ اس صورت میں قیراط سے مراد کامل و مکمل بہت بڑی اجرت ہے۔

اہل کتاب کو غصہ اس لئے نہیں آیا کہ ان کی حق تلفی ہوئی یا ان کو اجرت کم ملی بلکہ اس کا سبب وہ حسد تھا جو امت مسلمہ کی فضیلت کی وجہ سے ان کے دل میں موجود تھا۔ چنانچہ وہ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ان کو ہم پر فضیلت کیوں دی؟ ان کو دوگنا اجر کیوں دیا؟ ان پر اتنی زیادہ عنایات کیوں کیں؟ حالانکہ ہم نے ان سے بڑھ کر عمل کئے۔ اس جملے کے کہ "ہم نے زیادہ عمل کئے" دو معنی ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ہم نے دنیوی زندگی میں لمبا عرصہ اور لمبی عمر پائی نتیجتاً ہم نے اعمال بھی زیادہ کئے۔

۲۔ کثرت عمل سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ ہم ان سے بڑھ کر فرمانبردار تھے۔

پہلے معنی کے مطابق اس جملہ کے کہنے والے خاص طور پر یہودی تھے اور اس کی تائید اس حدیث کے الفاظ سے ہوتی ہے جو بخاری نے کتاب التوحید میں روایت کی ہے۔ الفاظ یوں ہیں : "فقال اهل التواره" (تورات والوں نے یہ بات کہی) کیونکہ اس بات میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ یہودیوں کا زمانہ مسلمانوں کی نسبت طویل تر تھا۔ چنانچہ "کنا اکثر عملا" کا قول ان پر صادق آتا ہے۔ عیسائیوں کا قول کنا اکثر عملا (ہمارے اعمال زیادہ ہیں) دوسرے معنوں کے اعتبار سے ہے۔ یعنی ہم زیادہ فرمانبردار ہیں۔ چونکہ وہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ دونوں پر ایمان لائے، اس لئے یہ قول ان پر صادق آتا ہے {۶}

جب اہل کتاب نے غصے میں آکر جو کہنا تھا کہہ دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر واضح کر دیا کہ اس نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا اور بغیر کسی کمی کے ان کو پورا پورا اجر دیا۔ زیادہ سے زیادہ

یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد ﷺ کی امت کو فضیلت دے کر ان کو مزید فضل و کرم سے نوازا اور یہ اللہ کا فضل ہے' وہ جسے چاہتا ہے اسے عطا کرتا ہے۔ اللہ اپنے فعل کے لئے کسی کو جوابدہ نہیں جبکہ وہ جوابدہ ہیں۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ کیا وہ لوگ جنہوں نے ایک گونگے بچھڑے کے متعلق کہا : "یہ تمہارا بھی معبود ہے اور موسیٰ کا بھی" ان کے برابر ہو سکتے ہیں جنہوں نے یہ کہا کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟" کیا وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ "عزیر اللہ کے بیٹے ہیں" یا وہ لوگ جنہوں نے کہا "عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں" ان لوگوں کے برابر ہو سکتے ہیں جنہوں نے کہا "اللہ ایک ہے' وہ بے نیاز ہے" اس نے نہ جنا' نہ جنا گیا' اس کا کوئی ہمسر نہیں"؟ کیا وہ لوگ جنہوں نے کہا "اللہ تنگ دست ہے اور ہم غنی" یا جنہوں نے کہا "کیا تمہارا رب ہمارے لئے آسمان سے دسترخوان نازل کر سکتا ہے؟" ان لوگوں کی برابری کر سکتے ہیں جنہوں نے کہا "تو غنی ہے اور ہم تیرے محتاج ہیں"۔ کیا وہ لوگ جنہوں نے کہا "ہم نے سن لیا اور نافرمانی کی" ان لوگوں کے برابر ہو سکتے ہیں جنہوں نے کہا "ہم نے سن لیا اور اطاعت کی"۔ کیا وہ لوگ جنہوں نے کہا "جاؤ تم اور تمہارا رب لڑو' ہم تو یہاں بیٹھیں گے" ان جیسے ہو سکتے ہیں جنہوں نے کہا "آپ ہمیں جس جگہ حکم دیں گے ہم وہاں جا کر لڑیں گے"۔؟ کیا یہ لوگ آپس میں برابر ہو سکتے ہیں۔ سب تعریفیں اللہ کو سزاوار ہیں جو تمام جہانوں کا پالن ہار ہے۔

تیسری فصل

امتوں کی عمر کا حساب

یہ فصل اس کتاب کی اہم ترین فصل ہے۔ یہ ایک نفیس بحث ہے۔ بہت سے لوگ اس سے ناواقف ہیں۔ ہم نے کوئی نئی بات نہیں کہی' ہم نے تو محض اس خزانے کو بڑی بڑی کتابوں سے نکال کر' جھاڑ پونچھ کر اسے اصلی اور صاف و شفاف شکل میں پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں ان مشاہیر علماء پر جنہوں نے سنت نبی ﷺ کی سوجھ بوجھ

کے سلسلہ میں ایک بہت بڑا ورثہ چھوڑا ہے۔ اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں محمد ﷺ پر جنہوں نے ارض و سماء کی ہر چیز کو علمی سطح پر وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔

حافظ ابن حجر نے اپنی قیمتی کتاب فتح الباری میں امتوں کی عمر کے بارے میں احادیث پر ان الفاظ میں حاشیہ آرائی کی ہے: "حدیث مذکور سے یہ دلیل نکلتی ہے کہ امت مسلمہ کی عمر ایک ہزار برس سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس کے مطابق عیسائیوں اور مسلمانوں کی عمر ملا کر یہودیوں کی عمر کے برابر بنتی ہے اور اہل روایت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت تک یہودیوں کی عمر دو ہزار برس سے زیادہ ہے اور نصاریٰ کی عمر اس وقت تک چھ سو برس بنتی ہے"{۷} اور انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حدیث میں ضمنی طور پر اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ دنیا کی عمر تھوڑی رہ گئی ہے{۸}۔ ابن حجر کے متذکرہ قول میں اجمالی طور پر مندرجہ ذیل مضمون شامل ہے :

۱۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کی عمر کو اگر باہم ملایا جائے تو یہ عمر یہودیوں کی عمر کے برابر ہے
یعنی یہودیوں کی عمر = مسلمانوں کی عمر + عیسائیوں کی عمر

۲۔ نصاریٰ کی عمر چھ سو برس ہے۔ اس کی تائید میں بخاری نے صحیح میں سلمان فارسیؓ سے ایک اثر روایت کیا ہے۔ ان کا قول ہے کہ عیسیٰ اور محمد ﷺ کے درمیان چھ سو برس کا عرصہ ہے{۹}

مذکورہ تصریحات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ

مسلمانوں کی عمر کی مدت = یہودیوں کی عمر ـ عیسائیوں کی عمر

چونکہ یہود و نصاریٰ کی مجموعی عمر ۲۰۰۰ برس سے زائد ہے اور نصاریٰ کی عمر چھ سو برس ہے تو تفریق سے نتیجہ نکلے گا کہ :

یہودیوں کی عمر = ۲۰۰۰ ـ ۶۰۰ = ۱۴۰۰ سال سے کچھ اوپر

اہل روایت اور تاریخ دانوں نے بتایا ہے کہ یہ بڑھوتری ۱۰۰ سال سے کچھ زیادہ ہے۔

اس صورت میں یہودیوں کی عمر = ۱۵۰۰ برس اور کچھ اوپر

چونکہ مسلمانوں کی عمر = یہودیوں کی عمر ـ عیسائیوں کی عمر

لہٰذا اس صورت میں امت مسلمہ کی عمر = ۱۵۰۰ ـ ۶۰۰ = ۹۰۰ برس سے کچھ اوپر

۵۰۰ برس [۱۰]

چنانچہ امت مسلمہ کی عمر = ۱۴۰۰ برس سے کچھ اوپر

امام سیوطی نے اپنے کتابچے "الکشف فی بیان خروج المہدی" میں کہا ہے: "آثار سے پتہ چلتا ہے کہ اس امت کی عمر ایک ہزار برس سے کچھ اوپر ہوگی اور یہ بڑھوتری ۵۰۰ برس سے قطعی طور پر زیادہ نہیں ہوگی [۱۱] اس بڑھوتری میں سے تیں برس تو گزر چکے، اب ۱۴۱۷ ہے۔ اس میں نبی ﷺ کی بعثت سے لے کر ہجرت تک (ہجری سال کے آغاز سے پہلے) کے تیرہ برس بھی شامل کرلیں۔ اب سن ہجری تو ۱۴۱۷ ہے مگر سن بعثت ۱۴۳۰ ہے۔ صحیح آثار پر مبنی مشاہیر علماء کے کلام کی روشنی میں جو حساب اب تک لگایا گیا ہے، اس کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ ہم اس دور سے گزر رہے ہیں جو قرب قیامت کا دور ہے۔ یہ ان آخری فتنوں اور جنگوں کی تیاری کا مرحلہ ہے جو قیامت کی بڑی نشانیوں سے پہلے ظہور پذیر ہونے والی ہیں۔

موضوع کی تکمیل کے لئے ہم آئندہ فصل میں اہل کتاب کے وہ اقوال پیش کریں گے جو ہماری پیش کردہ گزارشات سے ہم آہنگ ہیں اور جو اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ (دنیا کا) خاتمہ قریب ہے۔

چوتھی فصل

قرب قیامت سے متعلق اہل کتاب کے اقوال

ہو سکتا ہے کہ کتاب کی یہ فصل معتدل اہل کتاب کو اس بات کی ہدایت دے دے کہ وہ محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان لے آئیں اور ان کی تکذیب ترک کردیں۔ کیونکہ وہ دیکھیں گے کہ ان کی مقدس کتابوں کی عبارات اور نبی محمد ﷺ کی احادیث میں عجیب و غریب مطابقت پائی جاتی ہے۔ بلکہ ہماری تو خواہش ہے کہ ان میں زیادہ سے زیادہ لوگ ایمان لے آئیں، کیونکہ احادیث نبویہ سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے اہل روم آخری زمانہ ... قسطنطنیہ فتح ہوگا

حدیث تو ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ ۷۰ ہزار بنی اسحاق (اہل روم) قسطنطنیہ پر چڑھائی کریں گے اور تہلیل (لاالہ الااللہ) اور تکبیر (اللہ اکبر) پڑھتے ہوئے اسے فتح کرلیں گے۔ {۱۲}

۱۔ انجیل متی (۲۰ : ۱-۱۶) صفحہ ۳۱ پر لکھا ہے {۱۳}

(انگور کے باغ میں مزدوروں کی مثال)

"آسمانوں کی بادشاہت بالکل ایسے ہے جیسے کسی گھر کا مالک صبح سویرے نکل کر کچھ مزدور اپنے باغ کے لئے اجرت پر رکھ لے اور مزدوروں سے یہ طے کرلے کہ وہ ہر ایک کو ایک دن کا ایک دینار دے گا۔ پھر ان کو باغ میں بھیج دے۔ صبح نو بجے وہ پھر نکلے اور شہر کے ایک کھلے میدان میں کچھ اور بیکار مزدوروں کو دیکھ کر ان سے کہے: تم بھی جاؤ اور میرے باغ میں کام کرو، تمہیں تمہارا حق دے دوں گا۔ پس وہ بھی چلے جائیں۔ بارہ بجے دوپہر وہ ایک بار پھر میدان کی طرف جائے۔ پھر تین بجے دوپہر کو بھی نکلے اور کچھ مزید مزدور باغ میں بھیج دے۔ ایک بار پھر وہ پانچ بجے بعد از دوپہر نکلے تو کچھ اور بیکار مزدور اسے ملیں تو وہ ان سے پوچھے: یہاں دن بھر بیکار کھڑے کیا کر رہے ہو؟ وہ جواب دیں کہ کسی نے ہمیں اجرت پر نہیں رکھا۔ وہ کہے تم بھی میرے باغ میں چلے جاؤ۔ جب شام ہو تو باغ کا مالک اپنے نائب وکیل سے کہے مزدوروں کو بلاؤ اور سب سے پہلے ان کو مزدوری دو جو سب سے بعد آئے ہیں، سب سے بعد ان کو دو جو سب سے پہلے آئے ہیں۔ پھر پانچ بجے آنے والے مزدور آئیں اور ہر ایک، ایک ایک دینار لے لے۔

جب پہلے آنے والے آئے، وہ سمجھے کہ ان کو زیادہ اجرت ملے گی لیکن ہر ایک کو ایک ایک دینار ملا۔ جب وہ دینار لے رہے تھے تو گھر کے مالک کے خلاف ناگواری کا اظہار کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے ان لوگوں نے صرف گھنٹہ بھر کام کیا، ہم نے تو دن بھر دھوپ کی تپش میں کام کیا مگر مزدوری آپ نے ایک جیسی دیدی۔ مالک نے ان میں سے ایک کو جواب دیا: اے دوست! کیا میں نے تم پر ظلم کیا ہے؟ کیا تو نے ایک دینار لینے پر اتفاق نہیں کیا تھا؟ یہ پکڑو اور اپنی راہ لو۔ میں چاہتا ہوں کہ آخر میں آنے والے کو بھی اتنی ہی اجرت دوں۔ کیا مجھے اتنا حق نہیں کہ اپنے مال میں اپنی مرضی سے تصرف کروں؟ یا میری شرافت کی وجہ سے تیری آنکھوں میں شرارت آ گئی ہے۔ اس طرح پچھلے پہلے اور پہلے پچھلے بن جائیں گے۔" {۱۴}

۲۔ انجیل میں سالونیکی کے مومنین کے لئے پہلا پیغام ص ۵ پر ہے۔ اس کی عبارت یوں ہے :

"جہاں تک زمانے اور وقت مقررہ کے مسئلے کا سوال ہے' آپ کو تو اس کی ضرورت نہیں کہ اس کے بارے میں آپ کو لکھا جائے کیونکہ آپ تو یقیناً جانتے ہیں کہ یوم الرب (رب کا دن) آکر رہے گا' بالکل اسی طرح جیسے رات کو چور آتا ہے۔ جب لوگ یہ کہتے پھریں گے کہ امن و سلامتی کا زمانہ آگیا ہے اچانک ہلاکت و بربادی ان پر نازل ہو گی' بالکل اسی طرح جیسے درد زہ حاملہ عورت کو اچانک آلیتا ہے۔ چنانچہ وہ اس (ہلاکت) سے کبھی بھی چھٹکارا نہیں پاسکتے۔"

۳۔ امریکہ کا سابق صدر نکسن اپنی کتاب "1999:Victory without War" میں لکھتا ہے :

"1999ء میں ہمیں پوری دنیا پر مکمل بالاتری حاصل ہو جائے گی اور اس کے بعد عیسیٰؑ کا کام شروع ہو جائے گا۔"[۱۵]

یعنی وہ اس بات کا تعین کر رہے ہیں کہ 2000ء سے پہلے پہلے وہ مسیح کی واپسی کے لئے فضا ہموار کر دیں گے۔

۴۔ انجیل کے اصول پرستوں کا سردار ربٹ روبرٹسن کہتا ہے :

"اسرائیل کا دوبارہ جنم صرف ایک بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ دنیا کے خاتمہ کی نیچے سے گنتی شروع ہو چکی ہے۔ اسی طرح اسرائیل کے جنم سے باقی بشارتیں بھی تیزی سے پوری ہو رہی ہیں۔"[۱۶]

۵۔ انجیل کے پادریوں کے سابق رئیس بیلی گراہم نے ۱۹۷۰ء میں تنبیہہ کے انداز میں کہا تھا :

"دنیا بڑی تیزی کے ساتھ ہر مجدون کی جنگ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ نوجوانوں کی موجودہ نسل تاریخ کی آخری نسل ہو گی۔"[۱۷]

۶۔ ہال لینڈز اپنی کتاب "سب سے بڑا اور آخری کرۂ ارضی" میں کہتا ہے :

"وہ نسل جو ۴۸ء میں پیدا ہوئی وہ عیسیٰ کی دوبارہ واپسی کا مشاہدہ کرے گی۔"[۱۸]

۷۔ مسیحی اصول پرستوں کے لیڈر جیری فولویل کا کہنا ہے :

"ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم آخری زمانہ میں رب کی آمد {۱۹} سے پہلے تک زندہ رہیں گے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے بچے پوری زندگی پا سکیں گے۔" {۲۰}

۸۔ مینا جر جس اپنی کتاب "رب کی آمد کی علامات" میں لکھتا ہے :

"وہ علامات جن کا ذکر رب نے انجیل مقدس میں کیا ہے وہ ان دنوں پوری طرح واضح ہونے لگی ہیں اور ہم انہیں اپنی زندگی میں دیکھ رہے ہیں۔ رب نے جن علامات کا ذکر انجیل میں کیا ہے وہ ہم ان دنوں صاف صاف دیکھ رہے ہیں۔ یہ گویا اس بات کی دعوت ہے کہ بادلوں پر چل کر آنے والے رب کے استقبال کے لئے ہم پوری طرح تیار ہو جائیں۔" {۲۱}

۹۔ بشپ (دیستورس) اپنی کتاب "سفر دانیال پر ایک نظر" میں کہتے ہیں کہ مسیح دجال کا ظہور ۱۹۹۸ء میں ہو گا اور عیسیٰ کا دوبارہ نزول ۲۰۰۰ء موسم خزاں میں ہو گا۔ یہ حساب اس نے اپنی تحقیق میں پیش کیا ہے۔ (اس تحقیق کے کچھ صفحوں کا عکس اس کتاب میں بطور ضمیمہ شامل ہے) دیستورس موسم خزاں ۱۹۹۸ء میں مسیح دجال کے ظہور کی تاریخ پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے لکھتا ہے :

"یہ عجیب اتفاق ہے کہ مذاہب ثلاثہ کی تین عیدیں جن کا تعلق قربانی سے ہے وہ اپریل کے پہلے پندرھواڑے میں منعقد ہوں گی۔ اور اسی زمانہ میں مسیح دجال کا خروج ہو گا اور وہ بڑے پادری کے ساتھ ہیکل کے قریب قربانی ذبح کرے گا۔ وہ یہ گمان کرے گا کہ اللہ آسمان سے آگ نازل کر کے قربانی کو جلا دے گا جو اس قربانی کی قبولیت کی علامت ہو گی مگر اللہ تو اس قربانی کی طرف دھیان تک نہ دے گا اور وہ اللہ کے یہاں مردود ہو گی۔" {۲۲}

ہم نے تو اہل کتاب کے اقوال کی طرف محض اشارہ کیا ہے وگرنہ وہ لاتعداد ہیں، ان سب اقوال سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ان کا پکا عقیدہ ہے کہ دنیا ان دنوں اپنے آخری ایام گزار رہی ہے۔ یہ بات ان کو ان مقدس کتابوں نے بتائی ہے جن پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔

حواشی

{۱} مثلاً سلمان فارسی، صہیب رومی، عبداللہ بن سلام اور نجاشی رضی اللہ عنہم۔

{۲} احمد نے اپنی مسند (۳ : ۱۸۳) میں' بخاری نے الادب المفرد (نمبر۴۷۹) میں اور البانی نے الصحیحہ (رقم۹) میں روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

{۳} مرفوعاً اس کی کوئی اصل نہیں' ابن قتیبہ اور ابن مبارک نے ابن عمر سے موقوفاً روایت کیا ہے مگر الفاظ دوسرے ہیں۔ دیکھئے البانی کی "سلسلہ الاحادیث الضعیفہ" نمبر۱۸' ص۳۰

{۴} بخاری نے صحیح کے متعدد مقامات پر سے روایت کیا ہے مثلاً کتاب مواقیت الصلاۃ۔ فتح الباری ج۱' ص۳۸' مطبعہ دارالفکر' کتاب الاجارۃ ج۴' ص۴۴۵۔ کتاب احادیث الانبیاء' ج۶ ص۴۶۵ و کتاب فضائل القرآن ج۹' ص۶۶۔ کتاب التوحید ج۱۳' ص۴۶ سب مقامات کی اسناد مختلف ہیں۔

{۵} بخاری نے اسے بھی صحیح کے مختلف مقامات پر بیان کیا ہے' کتاب مواقیت الصلاۃ ج۲' ص۳۸ و کتاب الاجارۃ ج۴' ص۴۴۷۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ عبارت متی کی انجیل میں وارد ہوئی ہے' ہم اسے چوتھی فصل میں بیان کریں گے۔ یہ بالکل بخاری کی حدیث کے مطابق ہے۔

{۶} دیکھئے فتح الباری' ج۴' کتاب الاجارہ' ص۴۴۶

{۷} فتح الباری' ج۴' کتاب الاجارۃ' ص۴۴۹

{۸} فتح الباری ج۴' کتاب الاجارۃ' ص۴۴۸

{۹} صحیح بخاری' کتاب مناقب الانصار

{۱۰} سعد بن ابی وقاص ؓ کی مرفوع روایت میں ہے "مجھے امید ہے کہ میری امت اپنے رب کے سامنے اتنی عاجز نہیں ہوگی کہ وہ اسے آدھے دن کی مہلت دے دے۔ سعد ؓ سے پوچھا گیا یہ آدھا دن کتنا ہوگا؟ آپ نے فرمایا ۵۰۰ برس۔ یہ صحیح حدیث ہے جسے احمد' ابو داؤد' حاکم اور ابو نعیم نے الحلیہ میں روایت کیا ہے۔ علامہ البانی نے الصحیحہ میں اسے صحیح قرار دیا ہے (نمبر۱۶۴۳) اور صحیح الجامع میں بھی متعدد مقامات پر اسے صحیح قرار دیا ہے۔

{۱۱} رسالۃ الکشف عن مجاوزۃ ھٰذہ الامۃ الالف (ص۲۰۶)

{۱۲} دیکھئے' حافظ ابن کثیر کی الفتن والملاحم (باب ذکر الملحمہ مع الروم' ص۵۱)

{۱۳} یہ عبارت امتوں کی عمر کے بارے میں بخاری کی سابقہ حدیث سے کافی مشابہت رکھتی ہے۔ اہل کتاب اس طرف متوجہ ہوں اور انصاف کی نگاہ سے محمد ﷺ کے اس پیغام کو دیکھیں جس پر ایمان لانا سب پر لازم ہے۔

{۱۴} یہ بات رسول اللہ ﷺ کے اس قول کے مطابق ہے کہ ہم قیامت کے دن ترتیب کے لحاظ سے سب سے آخر میں ہوں گے مگر مرتبہ کے لحاظ سے سب سے آگے۔ بخاری اور مسلم نے اسے ابو ہریرہؓ اور حذیفہؓ کی سند سے روایت کیا ہے۔

{۱۵} "الوعد الحق والوعد المفتری" ص ۲۹۔

{۱۶} "الوعد الحق والوعد المفتری" ص ۴۵۔ اللہ عزّوجلّ نے اپنی کتاب عزیز میں بتایا ہے کہ یہودیوں کا اجتماع ان کی ہلاکت کا آغاز ہوگا۔ "اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس ملک میں رہو سہو۔ پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے لے آئیں گے"۔ (الاسراء : ۱۰۴)

{۱۷} النبوۃ والسیاسۃ' ص ۴۹

{۱۸} النبوۃ والسیاسۃ' ص ۵

{۱۹} عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ مسیحؑ بن مریم ہی رب ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ اللہ ان باتوں سے جو وہ کہتے ہیں بلند تر ہے۔

{۲۰} النبوۃ والسیاسۃ' ص ۵۶

{۲۱} علامات مجیء الرب' ص ۶۔۷

{۲۲} نظرات فی سفر دانیال' ص ۳۲

بقیہ : علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم

جانے لگے۔ ساڑھے چار سو برس تک یہ حکمران ایران پر غالب رہے مگر یہ جاہل' اجڈ اور خانہ بدوش لوگ کوئی نمایاں کام سرانجام نہ دے سکے۔ لیکن اس دوران ایران کے ارد گرد تہذیب و تمدن' مذہب و فلسفہ اور علم و ادب کا ارتقا ہوتا رہا۔ پھر آریائی تہذیب و تمدن کے نام لیوا منظم ہو کر اپنے اقتدار کی جدوجہد کرنے لگے تاکہ خانہ بدوش تورانیوں سے نجات حاصل کر سکیں اور ہخامنشی دور کی عظمت بحال کر سکیں ۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

(جاری ہے)

امام شاملؒ

امام شاملؒ کے حالات زندگی پر انگریزی زبان میں شائع ہونے والی کرنل محمد حامد کی کتاب کا ترجمہ و تلخیص

ترتیب و ترجمہ : اظہار احمد قریشی

امام شامل کی شخصیت اور کارناموں پر مشتمل ایک سلسلہ مضمون جو لیسلے برانچ کی ایک کتاب "The Sabers of Paradise" پر Based تھا' قبل ازیں "ندائے خلافت" کے ماہانہ ایڈیشن میں چار اقساط میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ سلسلہ ابھی نامکمل تھا کہ ندائے خلافت کے ماہانہ ایڈیشن کی اشاعت میں انقطاع کے باعث بند ہو گیا۔ لیسلے برانچ کی اس کتاب کا ترجمہ محترم اظہار احمد قریشی صاحب اپنی تمام تر معروفیات کے باوصف ذاتی دلچسپی لے کر نہایت ذوق و شوق کے ساتھ کر رہے تھے۔ تاہم دوران ترجمہ ان کے سامنے بعض ایسے حقائق آئے جن کی بنا پر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مذکورہ کتاب کو معتبر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مستشرقین کا طریق واردات یہ ہے کہ وہ ہمارے مشاہیر کی تعریف تو کرتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ ڈنک مارنے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ لیسلے برانچ بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اسی دوران محترم قریشی صاحب کی ملاقات کرنل محمد حامد سے ہوئی جو امام شامل پر ایک مبسوط کتاب انگریزی زبان میں تصنیف کر چکے ہیں۔ کرنل حامد صاحب نے قریشی صاحب کے اس خیال سے اتفاق کرتے ہوئے بتایا کہ لیسلے برانچ نے اپنی کتاب میں کچھ من گھڑت باتیں اور واقعات امام صاحب کی طرف منسوب کی ہیں جن سے ان کا امیج مجروح ہوتا ہے۔ محترم قریشی صاحب کی امام شاملؒ کی شخصیت اور ان کے کارناموں سے دلچسپی کا یہ ایک نمایاں مظہر ہے کہ انہوں نے لیسلے برانچ کی کتاب سے اعلان براءت کرنے کے ساتھ ہی کرنل حامد کی کتاب کا ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے ابتدائی ابواب کی تلخیص ہمیں ارسال کی۔ اس کتاب کے ذریعے چونکہ امام

صاحب کے مجاہدانہ کردار کی تفصیلات سامنے آتی ہیں اور امام صاحب کی زندگی کا یہی وہ پہلو ہے جس سے ہمیں زیادہ دلچسپی ہے' لہٰذا ہم جناب اظہار احمد قریشی کے شکریئے کے ساتھ اسے ہدیہ قارئین میثاق کر رہے ہیں (ادارہ)

علاقہ اور علاقہ کے لوگ

جس علاقے میں جہاد کیا گیا وہ سخت درجہ کا پہاڑی اور جنگلاتی علاقہ تھا اور وہاں کے سوشل حالات ہمارے شمال مغربی سرحدی صوبہ کے اس وقت کے حالات جیسے تھے جب حضرت سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ یہاں آئے تھے۔ قبیلوں' دیہات اور گھروں کی آپس میں دشمنیاں تھیں۔ وہاں کے رسوم و رواج میں خونی دشمنیوں اور انتقام کے نہ صرف قاعدے مقرر تھے' بلکہ ان پر وہ لوگ سختی سے عمل پیرا ہوتے تھے۔ اس معاملے میں مندرجہ ذیل مثالوں سے پوزیشن واضح ہو جائے گی۔

امام شامل مرحوم نے ایک دلچسپ کہانی سنائی تھی۔ تین سو سال قبل ایک گاؤں کے باشندے نے اپنے پڑوسی کی مرغی چرالی۔ پڑوسی نے انتقاماً ایک بھیڑ چرالی' جس پر دوسرے شخص نے بدلہ میں دو بھیڑیں چرالیں۔ اس پر پہلے نے ایک گائے چرالی۔ اب دوسرے نے پڑوسی کا گھوڑا چرالیا۔ اس چوری پر پہلا شخص اس قدر سٹ پٹایا کہ جب اسے کوئی اور چیز اتنی قیمت کی نظر نہیں آئی تو اس نے پڑوسی کو قتل کر دیا اور فرار ہو گیا۔ خون کا بدلہ خون ہونا تھا لیکن قاتل غائب تھا۔ چنانچہ مقتول کے ورثاء نے مقامی رواج کے مطابق قاتل کے ایک نزدیکی رشتہ دار کو قتل کر دیا۔ لہٰذا خون کے انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اور تین صدیوں تک جلتی رہی۔ اس دوران بیسیوں بلکہ بعض کے مطابق سینکڑوں معصوم لوگ قتل ہوئے تاکہ قبائلی عزت برقرار رہے۔ یہ سارا کچھ ایک مرغی کے سبب ہوا۔

ایک اور گاؤں میں ۱۸۲۶ء میں ایک کمرے میں چودہ آدمیوں کے درمیان لڑائی ہوئی اور سارے مارے گئے' صرف ایک آدمی بچا۔ اس موقع پر لڑائی کا سبب خون کا انتقام تھا جس پر پہلے بھی کئی قتل ہو چکے تھے۔ اسلام کا قانون اس کے برخلاف تھا۔ ان

لوگوں نے اسلام تو قبول کرلیا تھا لیکن عمل اکثر اپنے پرانے جاہلیت کے رسوم و رواج اور قوانین پر کرتے تھے۔

ان لوگوں کے تمام مرد پیدائشی گھڑ سوار تھے۔ وہ تلوار کی لڑائی کے ماہر اور زبردست نشانچی تھے۔ ان لوگوں کو اپنا اسلحہ ہر دوسری چیز کے مقابلے میں عزیز تھا' جو ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتا تھا اور اسلحہ کے بعد یہ لوگ اپنے گھوڑے کو سب سے زیادہ قیمتی اثاثہ سمجھتے تھے۔ یہ لوگ لمبے قد اور مضبوط جسم کے مالک تھے۔ ان میں سے اکثر بڑے خوبصورت' حاضر دماغ' بہادر' عقلمند اور مہمان نوازی کو ایک مقدس فرض سمجھنے والے تھے۔

تحریکِ جہاد

چیچنیا اور داغستان کے علاقے میں مریدیت کے تحریک چل رہی تھی جس کے بانی جناب مُلّا محمد صاحب تھے جو یاراغل کے رہنے والے تھے۔ اندر اندر جہاد کی خواہش ابھر رہی تھی۔ تاہم اس تحریک کے پہلے امام غمری کے قاضی ملا صاحب تھے۔ دوسرے ہمزاد بیگ صاحب تھے۔ تیسرے امام جناب حضرت امام شامل تھے' جن کی قسمت میں انتہائی عروج لکھا تھا۔ پہلے دو امام کی مدتِ جہاد مجموعی طور پر پانچ سال تھی اور حضرت امام شامل نے ان کے بعد ۲۵ سال تک جہاد کیا۔ تاہم حضرت امام شامل کا زمانہ جہاد ۳۰ سال شمار کیا جاتا ہے' کیونکہ پہلے دو اماموں کے دست راست بھی حضرت امام شامل ہی تھے۔ یہ ۳۰ سال ۱۸۵۹ء میں ختم ہوئے۔

امام قاضی ملا صاحب ۱۷۹۳ء میں غمری میں پیدا ہوئے اور اچھی تعلیم حاصل کی۔ یہ زبردست مقرر تھے اور اپنے علم اور ذہانت کے سبب ان کا اپنے لوگوں پر بڑا اثر تھا۔ ان کی بات اور تقریر کا دلوں پر بہت اثر ہوتا تھا۔ وہ اکثر وقت خاموش رہتے تھے۔ جناب شامل جو امام قاضی ملا صاحب سے تین سال چھوٹے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ امام قاضی ملا پتھر کی مانند خاموش ہو جاتے ہیں۔ یہ بڑے بہادر اور دھن کے پکے تھے۔

شامل صاحب بھی غمری میں پیدا ہوئے اور بچپن میں قاضی ملا صاحب کے بہت

نزدیکی پڑوسی تھے۔ یہ دونوں لڑکے جنہوں نے عمری کو شہرت دوام بخشی آپس میں گہرے دوست تھے۔ کم عمری میں ہی جناب شامل اپنی غیر معمولی طاقت اور قوت کے سبب مشہور ہوگئے۔ یہ رتبہ حاصل کرنے کے لئے انہوں نے ہر ممکن طریقہ استعمال کیا۔ انہوں نے تلوار چلانے' دوڑنے' چھلانگیں لگانے اور دیگر جمناسٹک میں خوب خوب مشق کی۔ ۲۰ سال کی عمر میں ان کاموں میں کوئی بھی دوسرا ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا تھا۔ وہ ۲۷ فٹ چوڑی نہر کو پھلانگ کر پار کرسکتے تھے' اسی طرح آدمیوں کے سروں کے اوپر سے چھلانگ لگا کر گزر سکتے تھے۔ یہ ننگے پیر رہتے تھے اور سردی یا گرمی ہر موسم میں سینہ کھلا رکھتے تھے اور اس پہاڑی علاقے کے سخت جان اور بہادر لوگوں کے درمیان وہ سب سے زیادہ جراتمند اور طاقتور شخص تھے۔ وہ بڑے پھرتیلے' زور آور' علم کے پیاسے اور خود پر فخر کرنے والے تھے۔ البتہ کچھ فکرمند اور بہت زیادہ حساس تھے۔

شامل صاحب کے پہلے استاد ان کے ساتھی قاضی ملا تھے۔ امام صاحب کہا کرتے تھے کہ میں نے قاضی ملا سے جتنا سیکھا ہے اتنا کسی اور سے نہیں سیکھا۔ ان دونوں نے اپنے علاقے کے متعدد بڑے عالموں سے علم حاصل کیا۔ پھر یہ یارا غل گئے جہاں انہوں نے تحریک مریدیت کے اصول سیکھے۔ سب سے پہلے انہوں نے شراب کی لعنت کی مخالفت کی۔ جب قاضی ملا صاحب نے اس کی تبلیغ شروع کی تو انہوں نے شامل صاحب سے کہا کہ مجھے چالیس کوڑے عوام کے سامنے مارو کیونکہ میں نے شراب چکھ لی تھی اور مجھے اس کے بڑا گناہ ہونے کا علم نہیں تھا۔ شامل صاحب نے بھی ایسی ہی سزا کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ شراب کے خلاف یہ مہم اس عجیب طریقے سے شروع ہوئی اور بہت ہی کامیاب ہوئی اور اس کا اثر بہت دیرپا رہا۔ عمری کے لوگ گڑگڑا کر خدا سے معافی کی درخواست کرنے لگے۔ بہت سوں نے قاضی ملا صاحب کے کپڑوں کو چوما اور اپنی سینہ کوبی کی کہ ہم کیوں ماضی میں گناہ کے کام کرتے رہے ہیں۔

۱۸۲۲ء میں یارا غل کے ملا محمد صاحب کو مرشد بنالیا گیا اور اس کے بعد سے وہ شریعت کا پرچار یارا غل کی مسجد میں کرتے رہے۔ دوسری جانب قاضی ملا صاحب عمری میں ۱۸۲۷ء میں کھلم کھلا تبلیغ میں مصروف ہوگئے۔ ان کے طریقت کے استاد جمال الدین صاحب تھے

جو ملا محمد صاحب کے شاگرد تھے۔ جمال الدین صاحب نے اپنی بیٹی زیدت شامل صاحب سے بیاہ دی تھی اور اس کے بعد جمال الدین صاحب شامل صاحب کے بہترین دوست اور نہایت عقلمند مشیر بن گئے۔ جمال الدین صاحب یہ نہیں مانتے تھے کہ جہاد کا صحیح وقت آگیا ہے اور وہ قاضی ملا صاحب کو بھی جہاد سے روکتے تھے۔ اس پر قاضی ملا صاحب یارا غل گئے اور ملا محمد صاحب کو مخاطب کر کے کہا: "خدا تعالیٰ اور اس کی کتاب ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم کافروں سے لڑیں اور دہریوں سے لڑیں لیکن جمال الدین صاحب ہمیں اجازت نہیں دیتے۔ اب ہم کس کا حکم مانیں؟" ان کو یہ جواب ملا کہ ہمیں خدا کے احکام پر عمل کرنا چاہئے، انسانوں کے احکام پر نہیں اس طرح فیصلہ ہو گیا۔

عمری واپسی کے بعد قاضی ملا صاحب زور و شور سے تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ ان کا سب سے زیادہ زور شریعت کی بحالی اور رسوم و رواج ترک کرنے پر تھا اور انہوں نے روسیوں کی غلامی قبول کرنے کی پرزور مخالفت کی۔ قاضی ملا صاحب نہ صرف ایک شعلہ بیان مقرر تھے بلکہ ایک بڑے عالم بھی تھے۔ انہیں رسول اللہ ﷺ کی ۴۰۰ سے زیادہ احادیث زبانی یاد تھیں، جن کو وہ اپنی تقریروں میں اکثر بیان کرتے تھے۔

تلوار کا جہاد

قاضی ملا صاحب کی پہلی عوامی کال برائے جہاد ۱۸۲۹ء میں لکھی گئی۔ عمری میں ایک جلسہ عام کے بعد، جس میں دور دور سے دینی رہنما شریک تھے، سب نے یک زبان ہو کر قاضی ملا صاحب کو امام تسلیم کیا اور ان کی جہاد کی دعوت پر لبیک کہا۔ چنانچہ جہاد کا فیصلہ ہو گیا۔

پہلا پروگرام پکو بھیکی پر حملہ کا بنا۔ یہ مقام ایک نواب کی بیوہ کے نام سے معنون تھا جس نے روسیوں کی اطاعت قبول کر لی تھی اور اب وہی یہاں کی حاکم تھی۔ ۴ فروری ۱۸۳۰ء کو قاضی ملا صاحب تین ہزار آدمیوں کے ساتھ چلے۔ راستے میں انہیں اتنے ہی آدمی اور مل گئے۔ راستے میں ان کے مخالفوں نے ان پر حملے بھی کئے لیکن انہیں شکست دیدی گئی۔ ان جھڑپوں میں ۲۷ آدمی شہید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ عمری سے

سارا راستہ امام قاضی ملا صاحب پیدل آئے کیونکہ انہوں نے جہاد کا جھنڈا نہیں لہرایا تھا۔ اور وہ اپنے عجز و انکسار کے سبب گھوڑے پر سوار نہیں ہوتے تھے۔ کئی دفعہ وہ چلتے چلتے رک جاتے اور آگے کی طرف جھک جاتے اور ہاتھ کان کے پاس لے جاتے جیسے وہ کچھ سن رہے ہوں' اگرچہ پہاڑوں میں ہر طرف سناٹا ہوتا تھا۔ جب ان کے ساتھی ان سے سوال کرتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں تو وہ ان سے الٹا سوال کرتے تھے کہ کیا تم لوگ نہیں سن رہے ہو۔ میں تو ان زنجیروں کی آواز سن رہا ہوں جن میں بندھے روسی قیدی میرے پاس لائے جائیں گے۔

پھر ایک پتھر پر بیٹھ کر وہ اپنے خیالات میں کھو جاتے اور اپنے تصور میں چیچنیا کا سارا علاقہ لے کر پھر ماسکو پر قبضہ کرتے اور پھر استنبول جاتے اور وہ سوچتے کہ اگر ترک خلیفہ دیندار ہو اور شریعت پر عمل کرتا ہو تو ہم اسے کچھ نہیں کہیں گے ورنہ ہم اسے گرفتار کرلیں گے اور اس کی سلطنت کسی اچھے مسلمان کو دے دیں گے۔ جب قاضی ملا صاحب اینڈی کے قریب پہنچے تو سب لوگوں نے ان کا استقبال کیا اور وہاں کے مسلمانوں نے ان کے لئے چادریں بچھائیں۔

ان واقعات کا لوگوں پر بڑا اثر ہوا۔ پکو بھیکی کے علاقے کے لوگ بھی بہت متاثر ہوئے لیکن پکو بھیکی کے صدر مقام میں بالآخر امام قاضی ملا صاحب کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ ۱۴ فروری ۱۸۳۰ء کو مجاہدین نے دو طرف سے حملہ کیا۔ ایک طرف امام قاضی ملا کمان کر رہے تھے اور دوسری طرف جناب شامل کمان کر رہے تھے۔ ان کے نعرے تھے : "اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ"

وہاں کے لوگوں نے نہ کبھی ایسا منظر دیکھا تھا اور نہ ایسے نعرے سنے تھے۔ ان کے ہتھیار خود بخود ان کے ہاتھوں سے گر گئے اور بندوقیں اور گولے جو وہ چلا رہے تھے وہ خاموش ہو گئے۔ اس پر پکو بھیکی کو اندازہ ہو گیا کہ اس کے محافظ ہتھیار ڈالنے ہی والے ہیں' اس نے اپنی نسوانیت کا فائدہ اٹھایا اور تلوار ہاتھ میں لے کر باہر نکلی۔ اس نے چیخ کر اپنے آدمیوں سے کہا کہ تم لوگ ہتھیاروں کے قابل نہیں ہو۔ تم یہ ہمیں دے دو اور تم ہماری حفاظت میں آجاؤ۔ اس طرح غیرت میں آکر پکو بھیکی کے لوگ مجتمع ہو گئے اور

مجاہدین پر پل پڑے۔ مجاہدین کو پیچھے ہٹنا پڑا، ۲۰۰ آدمی شہید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔

جناب شامل کی جان کو سخت خطرہ ہو گیا تھا، لیکن یہاں سے وہ بال بال بچے۔ شامل صاحب کئی مرتبہ بال بال بچے ہیں اور یہ اس طرح کا پہلا واقعہ تھا۔ ان کے نصیب میں ابھی بہت کچھ کرنا تھا۔

حضرت امام قاضی ملا صاحب غمری واپس ہو گئے اور وہ کہتے تھے کہ یہ شکست فاش خدا کی جانب سے ایک سزا تھی، جو ہمیں ایمان کی کمزوری کی بدولت ملی ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنے اعتقادات اور اپنے اعمال کو درست کرنا چاہئے۔

روس سے ٹکر[1]

امام صاحب نے روسیوں کے ایک قلعہ پر حملہ کر دیا۔ اسے بچانے کے لئے روسی فوج بڑی تعداد میں پہنچ گئی اور وہاں کافی بڑے علاقے نے جس میں غمری شامل نہیں تھا روسیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور اس کے بعد روسی فوج وہاں سے چلی گئی کیونکہ مجاہدین پہاڑوں اور جنگلوں کے دشوار گزار علاقے میں چلے گئے تھے جہاں روسیوں نے ان کا تعاقب نہیں کیا، صرف ناکام کوشش کے بعد چلے گئے۔ اس سے امام قاضی ملا صاحب کی عزت اور ہمت بڑھ گئی اور انہوں نے مجاہدین کی بڑی تعداد کے ساتھ ایک علاقے پر حملہ کر دیا اور وہاں کے روسی کمانڈر کو شکست دے دی۔ دو ایک مزید کامیابیوں کے بعد امام صاحب نے ایک روسی قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ فتح ہونے ہی والا تھا کہ عین وقت پر روسی کمک پہنچ گئی۔ امام صاحب کو بہت نقصان ہوا، شکست ہو گئی اور انہیں پہاڑوں اور جنگلات میں پناہ لینی پڑی۔ یہ واقعہ مئی ۱۸۳۱ء کا ہے۔

---

[1] میں یہاں جناب کرنل حامد کی کتاب کا ترجمہ اور تلخیص پیش کر رہا ہوں۔ اس کے بعد کرنل حامد صاحب لکھتے ہیں کہ جناب امام قاضی صاحب پکوبھیکی کے علاقے پر قبضہ کے بعد چیچنیا کے دوسرے علاقے پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ پکوبھیکی سے شکست فاش کے بعد اس کے علاقہ پر قبضہ کیسے ہوا، یہ نہیں معلوم۔ کرنل صاحب کی کتاب اس معاملے میں خاموش ہے۔ (عرض مترجم)

صرف دس دن آرام کے بعد امام صاحب نے ایک دوسری جگہ روسی قلعہ کا محاصرہ کرلیا' یہاں بھی روسی کمک پہنچ گئی۔ امام صاحب پچھلے تجربہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بروقت پیچھے ہٹ گئے اور ساتھ کے جنگلات میں چلے گئے۔ جب روسی فوج نے ان کا جنگل میں تعاقب کیا تو وہاں امام صاحب نے روسیوں کو ناکوں چنے چبوا دیئے' ان کی ایک توپ پر قبضہ کرلیا اور خود جرنیل کو بھی زخمی کردیا۔

جناب ہمزاد

پہاڑوں کے دوسری جانب جناب ہمزاد صاحب جو بعد میں دوسرے امام بنے' وہ بھی آزادی کی تحریک شروع کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس تحریک کو دبانے کی کوشش میں روسیوں کو شکست فاش ہوئی اور ان کے ۳۹۸ سپاہی اور افسر مارے گئے یا زخمی ہوئے۔ ان کی کل طاقت تین بٹالین سے کچھ ہی زیادہ تھی۔ ان کی چار توپیں چھین لی گئیں۔ سب سے بڑا نقصان' جس کو ان کے جرنیلوں نے بلکہ خود شہنشاہ روس نے بہت محسوس کیا وہ یہ تھا کہ روسیوں کی دو بٹالین فوج مجاہدین کو دیکھتے ہی گھبرا کر بھاگ کھڑی ہوئی اور سخت افراتفری مچی۔

جناب امام قاضی ملا صاحب پھر پہاڑوں میں چلے گئے۔ یہاں اگست میں انہیں ایک علاقہ کے لوگوں کا وفد ملا جنہوں نے درخواست کی کہ آپ ہمارے علاقے میں آئیں اور روسیوں کے خلاف جہاد میں ہماری رہنمائی کریں۔ اس پر امام صاحب فوراً چل پڑے اور دربند کے روسی قلعہ کا محاصرہ کرلیا جو آٹھ دن جاری رہا لیکن یہاں انہیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ اس پر انہوں نے کزلیر کے شہر پر دلیرانہ اور کامیاب حملہ کیا۔ اس شہر کو امام صاحب قبل ازیں جانتے تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں قاضی ملا صاحب اور شامل صاحب یہاں کا دورہ کرچکے تھے۔ وہ یہاں چند بڑے جید علماء سے ملنے آئے تھے۔ یہ شہر فتح ہوگیا اور قاضی ملا اپنے گھر کو دو سو قیدیوں اور دیگر مال غنیمت کے ساتھ لوٹے۔ اس مال کی قیمت چالیس لاکھ روبل کے لگ بھگ تھی۔

روسی جنرل نے تہیہ کرلیا کہ وہ مجاہدین کی پہاڑی پناہ گاہ' جو کہ بڑی مضبوط تھی کو

قیمت پر تباہ کرے گا۔ ۲۶ نومبر کو ایک ناکام کوشش کے بعد یکم دسمبر کو روسی فوج نے بھرپور حملہ کر دیا۔ قدرتی اور مصنوعی رکاوٹوں کے باوجود یہ حملہ کامیاب رہا۔ روسیوں کے ۴۰۰ آدمی کام آئے۔ ایک لکڑی کے ٹاور پر، جس کی حفاظت ۲۰۰ مجاہدین کر رہے تھے قبضہ کے لئے آٹھ روسی افسر مارے گئے۔ روسیوں نے پچھلی جنگ میں ہاری ہوئی توپ پر قبضہ کر لیا، لیکن اس پر ان کے ۸۰ آدمی مارے گئے جبکہ ۱۵۰ مجاہدین نے شہادت پائی۔

اس دوران حضرت امام قاضی صاحب نے کوشش کی کہ ایک وسیع علاقے کے لوگ متحد ہو جائیں اور ایک بڑی ریاست وجود میں آ جائے۔ انہوں نے اسلام کا پیغام پھیلانے کے لئے بہت سے آدمی بھیجے۔ یہ کاروائی ان مذہب سے بیگانہ لوگوں اور قبیلوں میں بہت کامیاب ہوئی۔ ان نو مسلم قبائلیوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے روسی افسر اور سٹاف کو قتل کر دیا اور اس طرح اسلام اور آزادی کے لئے اپنا خلوص ثابت کیا۔

بدلہ لینے کے لئے روسی فوج حرکت میں آ گئی۔ یہ لوگ تعداد میں بھی کم تھے اور غریب بھی تھے، باقاعدہ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے لیکن انہیں اپنے پہاڑی مورچوں پر اعتماد تھا اور ان کا خیال تھا کہ روسی ان تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ جب روسیوں کی جانب سے مطالبہ آیا کہ ہتھیار ڈالو اور ہمارے آدمیوں کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کرو تو انہوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر روسیوں نے فوجی دستہ جمع کیا جس میں ۳۰۰ باقاعدہ سپاہی، چار پہاڑی توپیں اور ۵۰۰ ملیشیا کے لوگ تھے۔ چونکہ راستہ میں سڑک نہیں تھی اس لئے جوانوں نے بہت تھوڑا سامان ساتھ لیا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد راستے کے دونوں جانب بہت گہرائیاں تھیں اور راستہ بہت تنگ ہو گیا تھا جس پر ایک آدمی ہی گزر سکتا تھا۔ چنانچہ جانے والوں کو ایک ایک کر کے گزرنا پڑا اور توپوں کو خچروں پر لادنا پڑا۔ اس طرح اس چھوٹی سے فوج کے دستہ کی لمبائی بہت زیادہ ہو گئی جو پانچ میل سے کم نہیں تھی۔

آغاز سے پانچویں دن پہلی بار کچھ گولیاں چلائی گئیں۔ اس ساری مہم کے دوران کوئی باقاعدہ لڑائی نہیں ہوئی۔ روسی فوج نے گاؤں کے گاؤں تباہ کر دیئے۔ ان کے ٹاور

اڑا دیئے اور فصلیں کاٹ ڈالی گئیں۔ مجاہدین کو خوب معلوم تھا کہ روسیوں کی اتنی فوج کا مقابلہ کب کیا جائے اور وہ اس اکادکا بکھرا ہوا روسی سپاہی اٹھاتے رہتے یا پھر چند مناسب جگہوں پر وہ روسی فوج پر پتھر برساتے تھے۔

روسی فوج کا مقصد تھا کہ اس علاقے کے آخری گاؤں کو بھی تباہ کر دیا جائے' اس لئے ساری فوج اس جانب مارچ کرتی رہی۔ راستہ کی تنگی کی وجہ سے ایک ایک آدمی گزرتا تھا۔ اگر ایک آدمی رکتا تو اس کے پیچھے ساری فوج رک جاتی۔ اس سفر میں روسی فوج کے ساتھ ایک مذاق ہو گیا۔ راستہ میں ایک بڑا مضبوط ٹاور تھا جس پر سے فوج کی حرکت کنٹرول ہو سکتی تھی' کیونکہ صاف نظر آتا تھا کہ پرعزم مجاہدین اس ٹاور کی حفاظت پر تھے اور اس کی وجہ سے روسی فوج پورے تین دن رکی رہی۔ فوج نے بڑی مشکل سے ایک چھپا ہوا راستہ سخت پہاڑی چٹان کاٹ کر ٹاور کی بنیاد تک بنایا اور ایک بارودی سرنگ لگائی' صرف اس کے بعد ہی مجاہدین نے ہتھیار ڈالے۔ روسیوں کو سخت حیرت ہوئی کہ ان کی چار ہزار نفری کو تین دن تک روکے رکھنے والے صرف دو مجاہدین تھے۔

کرنل محمد حامد صاحب کی کتاب سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ۸۰۰ آدمی جو چلے تھے وہ ۴۰۰۰ کیسے ہو گئے کوئی تاریخ نگار اگر اس پر روشنی ڈال سکے تو یہ مفید کام ہو گا۔ یہاں کرنل محمد حامد صاحب کی انگریزی کتاب "امام شامل" کے ابتدائی دو ابواب ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کتاب کے کل نو (۹) ابواب ہیں اور کتاب کے کل صفحات ۱۵۶ ہیں۔

بقیہ : عرض احوال

اگر اللہ نے چاہا تو سپاہ صحابہ اور سپاہ محمد کے اہم قائدین کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے گا۔ اسی طرح تکمیل دستور خلافت مہم کے ایک اہم سنگ میل کے طور پر ۶ جولائی کو صبح ۹ بجے الحمرا ہال لاہور میں ایک جلسہ عام منعقد کرنے کا پروگرام ہے جس میں توقع ہے کہ پاکستان کے تمام دینی مکاتب فکر کے اہم نمائندے شرکت کریں گے اور دستور پاکستان کو موجودہ منافقت سے پاک کرنے اور صحیح اسلامی خطوط پر استوار کرنے کی اس مہم کے لئے مشترکہ لائحہ عمل پر غور ہو گا۔ السعی منا والاتمام من اللہ۔

قصور وار کون ـــــ لڑکی یا والدین؟

ـــــ سید مظہر علی ادیب، لاہور ـــــ

نوجوان لڑکیاں گھروں سے بھاگ رہی ہیں۔ محبت کی شادیوں کا رواج بڑھ رہا ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان آشنائیاں روز بروز عام ہوتی جارہی ہیں۔ والدین معاشرے میں رسوا ہو رہے ہیں اور خود کشی تک کر رہے ہیں۔ وہ خود اپنی بچیوں کو "آشناؤں سمیت" قتل کر رہے ہیں۔ اس قسم کی لڑکیوں سے "دار الامان" بھرے پڑے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس شرمناک اور کربناک صورتحال کا اصل ذمہ دار کون ہے؟ لڑکیاں یا ان کے والدین؟ لڑکیاں جب اپنے آشناؤں کے ساتھ گھروں سے بھاگتی ہیں تو وہ یکایک اچانک بھاگنے کا منصوبہ نہیں بنا سکتیں۔ جب لو میرج عدالت میں ہوتی ہے تو وہ بھی کئی مراحل سے گزر کر ممکن ہوتی ہے۔ کوئی فوری اقدام نہیں ہو سکتا۔ یہ سب کچھ لڑکی کے کسی لڑکے سے "گہرے تعلقات" پیدا ہونے کے بعد ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

اب اہم ترین سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب لڑکی کسی لڑکے کے ساتھ اس حد تک "گہرے تعلقات" استوار کر رہی ہوتی ہے، اس کے والدین کہاں سوئے رہتے ہیں؟ وہ اپنی بچیوں کو شرعی پردہ کیوں نہیں کراتے؟ وہ ان کو گھریلو مرد ملازموں، باورچیوں، ڈرائیوروں، دفتر کے نوجوان ساتھیوں اور دوستوں کے سامنے کیوں کرتے ہیں؟ وہ اپنی نوجوان لڑکیوں کو خاندان کے نوجوان لڑکوں (کزن وغیرہ) سے فری کیوں ہونے دیتے ہیں؟ انہیں تنہائی کیوں دیتے ہیں؟ وہ ان کو اکیلے سفر کرنے یا بھرے بازاروں میں تنہا شاپنگ کرنے کی اجازت کیوں دیتے ہیں؟ الغرض آج کے والدین اپنی بچیوں کی حفاظت کے سلسلے میں اپنی ذمہ داری صحیح طور پر نہیں نبھا رہے ہیں۔ اس سنگین مسئلے کا ایک ہی حل ہے اور وہ یہ ہے کہ والدین شروع ہی سے اپنی نوجوان بچیوں کے لئے گھروں سے باہر مکمل ستر پوشی (برقع یا لمبی نقاب دار چادر کے ذریعے) اور گھر کے اندر نامحرموں سے مکمل پردہ کا اہتمام کریں۔ خاندان کے نوجوان

لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان ایک فاصلہ رکھیں۔ تنہائی اور ہنسی مذاق کی آزادی نہ دیں۔ بے شک اس کے ساتھ ساتھ پرنٹ میڈیا اور بالخصوص الیکٹرانک میڈیا کی اصلاح بھی بے حد ضروری ہے' جو گزشتہ تیس سال سے ڈراموں اور کھیل تماشوں کے ذریعے مسلسل نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو آپس میں عشق کرنے کی باقاعدہ تربیت دے رہے ہیں۔ خفیہ ملاقاتوں کے طریقے سکھائے جارہے ہیں' لو میرج کی ایک منظم طریقے سے ترغیب دی جارہی ہے' والدین کو نظرانداز کر کے ہر صورت میں "اپنی پسند کی شادی" کو رواج دیا جارہا ہے۔ دفتروں اور گھروں میں مردوں اور عورتوں کے درمیان حد درجہ آزادی اور ملنا جلنا دکھایا جارہا ہے۔ اسلام نے عورت کی عصمت و عفت کی حفاظت کی خاطر جو چند معاشرتی پابندیاں اس پر لگائی ہیں ان کو توڑا جارہا ہے اور فرسودہ قرار دیا جارہا ہے۔ الغرض' والدین کی مثبت کوششوں کے ساتھ ساتھ ٹی وی کے موجودہ منفی رویئے کو بدلنا بے حد ضروری ہے۔

ہماری زبوں حالی اور اس کا علاج

وسیم احمد

اس وقت ہم جس دور سے گزر رہے ہیں یہ تاریخ کا نازک ترین دور ہے۔ آج دنیا میں مسلمانوں کی تعداد سوا ارب سے زائد ہے۔ اتنی بڑی تعداد ہونے کے باوجود آج دنیا میں ہمارا کوئی مقام نہیں۔ آج ہم اپنا مقام امامت اپنے ہاتھوں خود کھو چکے ہیں۔ آج بجائے اس کے کہ اقوام عالم ہم سے رہنمائی حاصل کرتی اور ہماری تابع فرمان ہوتی ہم خود دوسروں کے خوشہ چین ہو گئے ہیں اور دشمنان اسلام کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔ کلام ربانی سے راہنمائی حاصل کی جائے تو صورت واقعہ کچھ اس آیت کے مطابق ہے کہ "وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ" گویا ہم آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے ہیں۔ ہر درد مند دل رکھنے والے پاکستانی کے لبوں پر یہ آواز ہے کہ امام خمینی کی طرز کا کوئی حاکم آئے جو ہمیں پیغام مسیحائی دے سکے۔ بالفاظ قرآنی :

"اور کہو اے میرے رب مجھے جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا' اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال' اور اپنی طرف سے ایک سلطان کو میرا مددگار بنا"۔ (بنی اسرائیل : ۸۰)

اس دعا کی قبولیت اس وقت ظاہر ہوئی تھی جب حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جزیرہ نمائے عرب میں اسلامی ریاست قائم کر دی تھی۔ یہ دعا اب بھی قبول و منظور ہو سکتی ہے بشرطیکہ مندرجہ بالا نیک خواہشات رکھنے والے لوگ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بالکل اسی انداز میں اپنا جان و مال اللہ کی راہ میں کھپانے کا مصمم عہد کر لیں۔ بقول شاعر ؎

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلمان میں اسی لئے نمازی

یعنی دعوت حق کو شعوری طور پر قبول کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہوں۔ پھر اس دعوت کو دوسروں تک پہنچائیں اور پھر اس دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں جمع ہونے والے لوگ ایک امیر کے ہاتھ پر اقامت دین کی جدوجہد کرنے کے لئے بیعت کریں اور جب جماعتی نظم و ضبط کی بھٹیوں سے گزر کر کندن بن جائیں اور مطلوبہ تعداد حاصل ہو جائے تو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آ جائیں۔ گویا ؎

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے!

پھر اس معرکے کے دو ہی انجام ہیں۔ یا تو راہ حق میں شہادت کا رتبہ نصیب ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کا خلافت عطا کرنے کا وعدہ ہمارے ہاتھوں پورا ہو جائے۔ ارشاد ربانی ہے :

"وعدہ کر لیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائیں اور عمل صالح کا حق ادا کریں کہ انہیں لازماً زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جیسا کہ خلافت عطا کی تھی ان کو جو ان سے پہلے تھے۔ اور ان کے لئے ان کے دین کو تمکن عطا فرما دے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور ان کے لئے خوف کے بعد امن کی حالت پیدا کر دے گا۔ پھر ایسے لوگ میری ہی بندگی کریں گے اور کسی کو میرے ساتھ شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ پھر اس کے بعد بھی جو لوگ روگردانی کریں تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں"۔ (النور : ۵۵)

★ ★

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

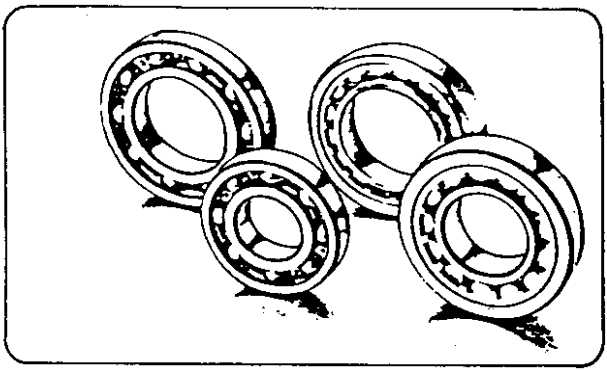

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 46 No.7
July 1997

Quarterly Journal of the Qur'an Academy

The Qur'anic Horizons

Patron: Dr. Israr Ahmad

July-September 1997 issue is now available!

Contents

- **The Post-Modern Destiny of Islam**
  (By Basit Bilal Koshul)
- **The Dynamic Range of Faith**
  (By Yahya Ahmed Herlihy)
- **Islamic Provisions of the Constitution of the Islamic Republic of Pakistan, 1973 What More is Required?**
  (By Dr. Tanzilur Rahman)
- **Strategy for the Elimination of *Riba***
  (By Dr. Sayyid Tahir)

Send Orders to:

Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an Lahore
36-K, Model Town, Lahore-54700
Phone: 5869501-3 Fax:5834000 E-Mail: anjuman@brain.net.pk